بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوگوں میں فکر و عمل کی روح پھونکنے والی
اور آخرت کے ہولناک واقعات و مناظر سے جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی
اپنی نوعیت کی منفرد اور لاجواب کتاب

منازلِ آخرت

مصنّف

حضرت علامہ و مولانا
محمد شرف الدین شرفؔ بھاگل پوری علیہ الرحمہ

مرتّب

محمد طفیل احمد مصباحی عفی عنہ

ناشر

گوہر جہاں اہلیہ جناب عبد الناصر صاحب
ڈسٹرکٹ جج، ہزاری باغ، جھارکھنڈ

نام کتاب : منازلِ آخرت

مصنف : حضرت علامہ ومولانا محمد شرف الدین شرف بھاگل پوری علیہ الرحمۃ والرضوان

مرتّب : محمد طفیل احمد مصباحی عفی عنہ

پروف ریڈنگ : محمد حسن اختر مصباحی / غلام سرور / طارق جمیل / تحسین عالم

کمپوزنگ : مولانا محمد رحمت اللہ مصباحی مظفر پوری

طباعت اول : ۱۳۸۵ھ / ۱۹۳۹ء

طباعت دوم : ۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء

صفحات : ۱۷۶

تعداد : ۱۱۰۰ — گیارہ سو

ناشر : گوہر جہاں اہلیہ عبدالناصر صاحب ڈسٹرک جج ہزاری باغ جھارکھنڈ

ملنے کے پتے

(۱) حافظ محمد شکیل احمد، بوکارو اسٹیل سٹی ہیڈ پوسٹ آفس، ضلع بکارو، جھارکھنڈ

(۲) محمد طفیل احمد مصباحی، ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی

(۳) مولوی محمد طارق جمیل، مقام وپوسٹ مہگاواں، ضلع بانکا، بہار

(۴) نوری کتاب گھر، نزد جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

(۵) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

(۶) مکتبہ حافظ ملت، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

Mob: 09621219786/09431743784

فہرست مضامین

تاثرات

حضرت مولانا محمد ادریس مصباحی دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس عالم رنگ و بو میں بے شمار انسان پیدا ہوئے اور رخصت ہو گئے۔ بہت کم لوگوں کو دنیا نے یاد رکھا اور کروڑوں افراد کو فراموش کر دیا۔ یہاں تک کہ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ قرطاس وقلم، لوح وتحریر اور تصنیف و تالیف کی بدولت زندہ رہنے والے خوش نصیب افرادو اشخاص میں ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا **محمد شرف الدین** شرفؔ بھاگل پوری کی بھی ہے۔ اسلاف کرام کی روش کے مطابق شرفؔ بھاگل پوری اس دنیا میں رہ کر دنیا والوں کے لیے چند انمول جوہر کتاب کی شکل میں چھوڑ گئے اور اسی وجہ سے انھیں حیات جاویداں مل گئی۔ آپ نظم اور نثر دونوں میدان کے فاتح اور سپہ سالار تھے۔ نظم میں ”گلستان بھارت“ یعنی ”سونے کی چڑیا“ اور نثر میں ”**منازل الآخرت**“ لکھی۔ آپ کے نمایاں اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اتحاد و یکجہتی اور امن وسکون کے علم بردار تھے۔ نثر میں ” سنسار شانتی سندیسہ“ لکھ کر دنیا والوں کو امن وآشتی کا پیغام اور اتحاد و یکجہتی کا تحفہ عنایت کیا۔ یقیناً ان کتابوں نے شرفؔ صاحب کو شہرت وبلندی کے ساتویں آسمان تک پہنچا دیا اور ان کی ذات کو فنا کے بعد بھی باقی رکھا۔

زیر نظر کتاب ”منازل الآخرت“ استاذی الکریم حضرت علامہ ومولانا محمد شرف الدین شرفؔ بھاگل پوری کی ایک عمدہ، مفید اور لاجواب کتاب ہے، جسے پڑھ کر آخرت کی

یاد آتی ہے اور دنیا کی آلائشوں سے بچنے کا درس ملتا ہے۔ ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر حضرت مولانا محمد منور حسین سجان پور کٹوریہ، ضلع بانکا، بہار کو فراموش کر دیا جائے، جنھوں نے مدرسہ خیر المدارس، عمر پور، کی بنیاد رکھی۔ حضرت مولانا منور حسین، حضرت مولانا شرف الدین اور مولانا محمد ابراہیم ابرؔ بھاگل پوری نے اپنا خون جگر پلا پلا کر مدرسہ خیر المدارس کے گلشن کی آبیاری کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام حضرات کو غریق رحمت کرے اور ان کی قبروں کو اپنی رحمت کے نور سے بھر دے۔

لگے ہاتھوں یہ بھی واضح کر دوں کہ حضرت مولانا شرف الدین شرفؔ بھاگل پوری کو کچھوچھہ مقدسہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور یہاں کی غلامی کو شہنشاہی پر ترجیح دیتے تھے اور کچھوچھہ سے نسبت و تعلق پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آپ کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

اشرف کا غلام، اشرفی ہوں، شرفؔ ہوں
سکّوں پہ کچھوچھہ کے مرا نام ملے گا

لائق مبارک باد ہیں حضرت العلام مولانا محمد طفیل احمد مصباحی جو اپنی محنت شاقہ سے گوشہ گمنامی میں پڑے مرحوم علمائے کرام کے نام اور کام سے نئی نسل کو آگاہ کر رہے ہیں۔ اس سے قبل مولانا شرف الدین صاحب کی منظوم کتاب "گلستان بھارت" یعنی "سونے کی چڑیا" کو بڑی محنت سے دریافت کر کے اور اپنا خون جگر پلا کے منظر عام پر لا چکے ہیں۔

اس مرتبہ پھر مولانا شرف الدین صاحب کی ایک دوسری کتاب "منازل الآخرت" کو جدید رنگ و آہنگ اور تہذیب و ترتیب کے دشوار گذار مراحل سے گزار کر شائع کر رہے ہیں۔ عزیز القدر مولانا طفیل احمد مصباحی سلمہ القوی اس طرح کا کام انجام دے کر گویا موجودہ نسل کو جھنجھوڑتے ہیں اور دعوت فکر و عمل دیتے ہیں کہ "بیٹھے بیٹھے کیا کر رہے ہو، آؤ کوئی کام کریں"۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک سید عالم ﷺ کے

صدقے طفیل اور حضرت مولانا منور حسین، حضرت مولانا شرف الدین اور مولانا ابراہیم ابرؔ علیہ الرحمہ کے وسیلے سے عزیزم طفیل احمد سلمہ کی زندگی کو گلزار بنائے اور ان کے زور قلم میں مزید اضافہ فرمائے، ان کی عمر میں برکت دے، اور اسی طرح گمنام کتابوں کو طباعت واشاعت کے زیور سے آراستہ کر کے قوم وملت کے سامنے پیش کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فقط والسلام

خاک پاے علما و اولیا

محمد ادریس مصباحی عفی عنہ

صدر مدرس مدرسہ نور الاسلام، محلہ پیک ٹولہ ضلع ارریہ (بہار)

بتعاونِ خاص

مصنف کتاب حضرت علامہ شرف الدین شرفؔ بھاگل پوری علیہ الرحمہ کی نواسی گوہر جہاں اور ان کے شوہر عالی جناب عبد الناصر صاحب قبلہ، ڈسٹرکٹ جج ہزاری باغ، جھارکھنڈ کے تعاون خاص اور حضرت شرفؔ الدین بھاگل پوری کے داماد جناب حافظ محمد شکیل احمد صاحب قبلہ ہیڈ پوسٹ آفس، بوکارو اسٹیل، جھارکھنڈ کی توجہ و کوشش سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور ان کے جملہ اہل خانہ کو صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے۔ آمین

محمد طفیل احمد مصباحی عفی عنہ

حرفِ چند

جناب حافظ و قاری **محمد شکیل احمد** صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

(داماد مولانا محمد شرف الدین بھاگل پوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا شرف الدین بھاگل پوری اپنے عہد کے ممتاز عالم، بلند پایہ ادیب اور مایۂ ناز شاعر تھے۔ اور صرف شاعر ہی نہیں بلکہ "استاذ الشعرا" تھے۔ آپ کے بعد پورے شہر بھاگل پور اور ضلع بانکا میں آپ جیسا عظیم المرتبت شاعر آج تک پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی شاعری نے عہدِ میرؔ و غالبؔ کی یاد تازہ کردی تھی اور اکبرؔ الہ آبادی و الطاف حسین حالیؔ کا احساس دلادیا تھا۔ مولانا شرف الدین بھاگل پوری کو اردو کے ساتھ فارسی اور ہندی شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ آپ فارسی زبان و ادب کے منجھے منجھائے عالم تھے۔ آپ کی فارسی دانی مسلم ہے۔ ہم عصر علمانے آپ کو "امام الفارسی" کا خطاب دیا۔ گلستاںؔ و بوستاںؔ عبارت کے ساتھ زبانی یاد تھی، علم و ادب اور فکر و فن میں مہارت رکھنے کے ساتھ حضرت شرفؔ بھاگل پوری ایک با اخلاق اور مخلص انسان تھے۔ زہد و تقویٰ اور اتباعِ شریعت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت علامہ و مولانا منور حسین رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ خیر المدارس، عمر پور، بانکا، بہار کے ساتھ مل کر مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ نے علم دین کے فروغ اور مذہب و ملت کی ترویج و اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

آپ ادیب و شاعر تو تھے ہی، تصنیف و تالیف میں بھی ماہر اور قلم کے بادشاہ تھے۔ نظم و نثر میں نصف درجن کتابیں لکھ کر آپ نے اصلاحِ امت کا بہت بڑا کام کیا ہے۔

احقر راقم الحروف عرصۂ دراز سے مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ کی مطبوعہ کتابوں

کو دوبارہ چھپوانے سے متعلق غور کر رہا تھا، مگر قدرت کی طرف سے یہ دینی اور علمی کام شاید کسی اور کے حق میں مقدر تھا۔

حضرت مولانا محمد طفیل احمد مصباحی دام ظلہ العالی، سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور نے مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ کی اصلاحِ معاشرہ پر مبنی لاجواب کتاب "منازل الآخرۃ" کو بڑی محنت و مشقت کے ساتھ مرتب و مہذّب کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ کتاب مصنف کے زمانے ہی میں چھپی تھی۔

اس کا ایک قدیم نسخہ راقم الحروف کے پاس محفوظ تھا۔ کتاب اتنی پرانی اور بوسیدہ ہو چکی تھی کہ ہاتھ لگانے کے بعد ورق پھٹنے لگتے تھے۔ اکثر مقامات پر کتابت بھی صاف نہیں تھی۔ مولانا طفیل صاحب نے کتاب کو سجانے اور سنوارنے میں بڑی محنت کی اور بالآخر مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اب کتاب کا دوسرا ایڈیشن نگاہوں کے سامنے ہے اور آپ کو دعوتِ مطالعہ دے رہی ہے۔

مولانا طفیل احمد مصباحی کی ہمت و جرأت اور دینی و قلمی خدمت کی ہم داد دیتے ہیں اور ان کی صحت و سلامتی کے لیے اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں۔

محمد شکیل احمد
بوکارو اسٹیل سٹی، ہیڈ پوسٹ آفس، ضلع بوکارو، جھارکھنڈ
۲۳؍ نومبر ۲۰۱۴ء بروز دوشنبہ

مرتّب، مصنّف اور تصنیف

خطیبِ اعظم، ادیبِ عصر حضرت مولانا رمضان حیدر قادری فردوسی دام ظلہ العالی

تحریک اسلاف شناشی جنھوں نے بھی چھیڑی ہو، وہ پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے لازماً ہر ممکن تعاون کے بھی مستحق ہیں اور شکریہ کے بھی۔ آج اسلاف بیزاری کا عالم تو یہ ہے کہ جہاں سلفیت کا ہو ہنگامہ کرنے والوں نے بزرگوں کے حوالوں سے اسلامیات پر گفتگو کرنے والوں کے ایمان کو کمزور باور کرانے پر سر کھپا رکھا ہے۔ وہیں سنّیت کے کچھ خود ساختہ ٹھیکے دار اپنے چند بزرگوں کے ماسوا اکابرین کو عوام الناس کے اذہان و قلوب سے باہر نکالنے کے لیے ہر حربے کا استعمال ذوق و شوق سے اپنے حق میں روا کیے ہوئے ہیں۔

ع ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے؟

اللہ کریم بھلا کرے حضرت مولانا طفیل احمد صاحب قبلہ مصباحی اور ان جیسے دوسرے افراد کا جو باضابطہ تحریکِ اسلاف شناشی کا حصہ بن کر اپنے اسلاف کی حیات و خدمات، تصنیفات و تالیفات، ان کے مکتوبات و ملفوظات اور ان سے متعلق جملہ معلومات کو شائع کر رہے ہیں، عام کر رہے ہیں، غرض کہ بڑا کام کر رہے ہیں۔

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

ممدوحِ مکرّم مولانا طفیل احمد مصباحی ایک جوان سال عالم دین ہیں۔ حق بیاں، حق گو، حق رقم، نکتہ داں، نکتہ فہم اور نکتہ سنج شخصیت کے مالک ہیں۔ رواں دواں قلم تو فصیح و بلیغ زبان رکھتے ہیں۔ خالص پڑھنے لکھنے والے آدمی ہیں۔ کام کرنا اور کرتے رہنا، علمی گہرائی میں ڈوب جانا اور حقیقت کی تہ تک پہنچ جانا، آپ کا ہدف بھی ہے اور کمال بھی۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ "تم چاہو تو جنگل کو بھی گلزار بنا دو" ایسے ہی

علمی، محنتی اور علم واخلاق دوست حضرات سے علمی روایات کی برق رفتاری، صوفی مشربی غلغلوں کی چمک دمک اور مذہبی و مسلکی وسعتوں کی ہمہ جہت ترقیوں کی ہم توقّع رکھ سکتے ہیں۔ اور موصوف عالی جاہ نے تو جیسے ہماری ہی توقعات پر جلد از جلد کھرے اترنے کے لیے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور جیسے باوقار علمی ادارہ، اس کی مرکزی لائبریری اور یہاں کے لائق وفائق اساتذہ کے علمی سایے میں پناہ لے رکھی ہے۔

ع مرغ دل راگلشن بہتر زکوئے یار نیست

زیر نظر کتاب "منازلِ آخرت" کے مصنّف حضرت علامہ شیخ شرف الدین شرف بھاگل پوری علیہ الرحمہ ہمارے اسلاف میں سے ایک ہیں۔ ایک نامور بزرگ عالمِ ربّانی، ایک قدرآور ناقد، اسلامیات کے محقق، بلند پایہ شاعر، ایک مستند مصنّف اور سچے داعی و مبلغ ہیں۔ کئی خوبیاں تھیں آپ میں اور کئی کارنامے ہیں آپ کے۔

مگر برا ہو اسلاف فراموشی کا کہ بھلا دیے گئے آپ!! آپ کا چھوڑا ہوا مشن اپنوں میں بیگانہ اور وطن ہی میں اجنبی ہے۔ آپ کی انقلاب آفریں مستند اور مکمّل کتابیں قید خانے سے نکلنے کے لیے بیتاب ہیں۔ آپ کے خون جگر سے سینچا ہوا ادارہ زوال پذیر ہے۔ آپ کی بوسیدہ قبر عقیدت مندوں کی راہ تک رہی ہے۔ آپ کے کھینچے ہوئے خطوط رنگ ریزوں کے انتظار میں ہیں۔ یہ دراصل نتیجہ ہے اسلاف فراموشی کا! اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

کیا سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری فردوسی (مخدوم بہاری) رحمۃ اللہ الباری کی سترہ سو کتابوں میں سے صرف ایک آدھ درجن پر ہم اکتفا نہیں کر رہے ہیں؟ جس مخدومِ بہاری کی خانقاہ سے اکتسابِ فیض کے لیے سمرقند و بخارا، ہمدان و سمنان، ایران و توران، نجف و بغداد، عراق و افغان اور کاشغر و کشمیر کے اکابرینِ شریعت اور ماہرین طریقت رجوع کیا کرتے تھے۔ کیا اب ہم محض اس خانقاہ کے نام کی سماعت پر صبر نہیں کر رہے ہیں؟

اس طرح کے سیکڑوں واقعات اور ہزاروں حادثات ہیں۔

ع جوئے خون می چکد از حسرتِ دیریں ...

یہ تصنیف لطیف اور کتاب لاجواب **"منازلِ آخرت"** عرصہ دراز سے عوام وخواص کی نگاہوں سے اوجھل اور نایاب تھی۔ مگر اب مولانا طفیل احمد مصباحی کے طفیل ہم تک پہنچ رہی ہے۔ خدا کرے ہم مضمون کے مقصود تک پہنچ جائیں۔ آپ پڑھیے اور پڑھتے جائیے۔ ادب کی چاشنی سے کلیجہ ٹھنڈا ہوگا تو منازلِ آخرت کی تصویر کشی سے خدا خوفی کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکنے لگی گی۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کے لیے یہ فیصلہ مشکل ہوجائے گا کہ اسے ایک ادیب کا ادب کہوں یا کسی عارف باللہ اور خدا رسیدہ بزرگ کی دیکھی بھالی داستانِ درد۔ ایک خشک موضوع کو تر کرنے کے لیے آیاتِ بیّنات، احادیث طیّبات اور سچے قصص و واقعات ایسے سلیقے سے پروئے گئے ہیں کہ طبیعت مچل اٹھتی ہے۔

غرض کہ مصنّف علیہ الرحمہ نے اپنے سیّال قلم، بلند افکار اور زبان وادب کی چاشنی سے اس کتاب کو تر بہ تر کردیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز کتاب کے مطالعہ سے خدا خوفی اور عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے وجود مہک اٹھے گا اور آپ کا وجدان خود بخود بول اٹھے گا کہ اصلاحِ معاشرہ سے متعلق اس نادر و نایاب، مفید اور گراں قدر کتاب کی ضرورت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گی اور یہی مصنّف (مولانا شرف الدین) کا مقصود بھی ہے اور مرتّب (طفیل احمد) کا مطلوب بھی۔

خدا حافظ

محمد رمضان حیدر قادری فردوسی
خانقاہ فردوسیہ، مقام وپوسٹ جونکا شریف، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ

مولانا شرف الدین بھاگل پوری

----:حیات و خدمات:----

محمد طفیل احمد مصباحی، سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

امام الفارسی، سعدیِ زمانہ، ممتاز الشعرا، استاذ العلما حضرت علامہ و مولانا محمد شرف الدین شرفؔ بھاگل پوری علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ: ۲۱؍ نومبر ۱۹۸۸ء) سرزمین بھاگل پور کے ان نامور عالموں میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے علاقے میں مستقل قیام کر کے یہاں علم و حکمت اور فکر و دانش کی قندیلیں روشن کیں اور اپنی خداداد علمی بصیرت و لیاقت سے مقامی آبادیوں کو نورِ علم سے اجالا بخشا۔

آپ کی تہ دار علمی شخصیت صرف بھاگل پور ہی نہیں بلکہ پورے صوبۂ بہار کے لیے باعث فخر ہے۔ علم و دانش، مذہب و مسلک اور ادب و شاعری کی ترویج و اشاعت میں آپ کی گراں قدر خدمات کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بھاگل پور، بانکا اور ریاست بہار کے دیگر اضلاع میں آپ کے شاگردوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ آپ ایک جیّد عالم دین، بہترین مدرس، باعمل صوفی اور مایۂ ناز ادیب و شاعر تھے۔ معقولات و منقولات میں مہارت رکھنے کے ساتھ فارسی کتاب گلستاں و بوستاں کے حافظ تھے۔

محتاط اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرہ میں شہر بھاگل پور کے ایک گم نام علاقہ "مہگاواں" میں ہوئی۔ مہگاواں یہ جنوبی بھاگل پور میں پہاڑوں کے دامن میں آباد ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، مہگاواں پہلے بھاگل پور ضلع میں آتا تھا۔ اب یہ بانکا ضلع میں شامل ہوچکا ہے۔ بھاگل پور سے سمت جنوب مہگاواں کا فاصلہ تقریباً ۳۰؍ کلو میٹر ہے۔ یہاں دینی تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ پورے گاؤں میں دو چار

عالم و حافظ کا ملنا بھی مشکل ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے سنگلاخ اور جہالت سے پُر علاقے میں مولانا شرف الدین جیسے زبردست عالم اور عالم گر کیسے پیدا ہو گئے؟

آپ کے والد ماجد کا نام محمد قمر الدین عرف نواب اور والدہ کا نام خاتون ہے۔

تعلیم و تربیت: مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے نانیہال فتح پور، بھاگل پور میں ہوئی۔ فتح پور کے علاوہ خنجر پور، بھاگل پور میں بھی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ صوبۂ بہار کی مشہور علمی و دینی درس گاہ مدرسہ خیریہ نظامیہ، سہسرام، ضلع روہتاس تشریف لے گئے۔ اس وقت مدرسہ خیریہ سہسرام پورے بہار میں علم و ادب کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا اور وہاں اس زمانے میں حضرت علامہ فرخند علی فرحتؔ سہسرامی اور دیگر اساتذۂ وقت علم و ادب کی خیرات بانٹ رہے تھے اور تشنگانِ علوم نبویہ کو سیراب کر رہے تھے۔

مولانا شرف الدین بھاگل پوری نے علامہ فرخند علی سہسرامی کی خاص طور سے شاگردی اختیار کی اور ان سے خوب خوب اکتساب فیض کیا۔ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ/ مطابق مئی ۱۹۳۱ء میں آپ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام، ضلع روہتاس، بہار سے فارغ التحصیل ہوئے۔

درس نظامی کی مروّجہ کتابیں حضرت علامہ فرخند علی و دیگر اساتذۂ عصر سے پڑھیں۔ اور اردو شعر و سخن میں علامہ فرخند علی فرحتؔ سہسرامی، محمود خاں سہسرامی اور مولانا عبدالحمید شیداؔ سہسرامی سے اصلاحیں لیں۔ کچھوچھہ شریف آپ کا مرکزِ روحانیت اور مسکنِ مرشد ہے۔

حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی سے آپ کو بیعت و ارادت اور خلافت و اجازت حاصل تھی۔ آپ کی علمی لیاقت اور تدریسی مہارت مسلّم ہے۔ یہ آپ کی تدریسی مہارت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضور مفتیِ اعظم ہند طلبہ کا امتحان لینے کے لیے آپ کو بریلی شریف بلایا

کرتے تھے اور آپ بحیثیت ممتحن بریلی شریف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ عرس رضوی کے موقع پر آپ اسٹیج پر تقریر بھی کیا کرتے تھے۔

استاذ الحفاظ حضرت حافظ عبد الجلیل صاحب قبلہ ساکن خنجر پور، بھاگل پور بیان کرتے ہیں کہ ”حضور مفتی اعظم ہند، مولانا شرف الدین صاحب کے مزاحیہ اور طنزیہ اشعار سن کر مسکرایا کرتے تھے۔“

اولاد و امجاد: ۲۵؍ سال کی عمر میں آپ کی شادی خانہ آبادی شاہ کنڈ (ضلع بانکا، بہار) میں ہوئی اور اہلیہ حلیمہ خاتون سے ایک نرینہ اولاد محمد ظہیر الدین (حُسّو) اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: (۱) بلقیس خاتون، (۲) فاطمہ خاتون، (۳) شہزادی خاتون۔ لڑکا محمد ظہیر الدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ چار پوتے (۱) پھول (۲) منیر (۳) مہتاب (۴) آفتاب، بقید حیات ہیں اور دادا مولانا محمد شرف الدین کی یادگار ہیں۔ اسی طرح آپ کی تینوں بچیاں بھی ماشاء اللہ خوش حال زندگی گزار رہی ہیں اور آپ کے سارے داماد اچھے مقام و عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ کے چھوٹے داماد جناب حافظ و قاری محمد شکیل احمد صاحب (ساکن ڈِھمرا، ضلع بانکا) اس وقت بوکارو اسٹیل سٹی کے ہیڈ پوسٹ آفس میں ایک باوقار ملازم اور سرکاری عہدے پر فائز ہیں۔

حضرت مولانا شرف الدین صاحب کو اپنے اس چھوٹے داماد پر بڑا فخر و ناز اور اعتماد تھا۔ شروع میں آپ نے وصیت کی تھی کہ میری نمازِ جنازہ مفتی شاہ جہاں صاحب قبلہ (سبور، بھاگل پور) پڑھائیں گے۔ لیکن جب حافظ شکیل احمد صاحب داماد بن گئے تو آپ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اب میرے گھر میں خود حافظ موجود ہیں۔ باہر سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، اب میری نماز جنازہ حافظ شکیل صاحب ہی پڑھائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا کہ آپ کے وصال کے بعد نمازِ جنازہ آپ کے عزیز داماد حافظ شکیل احمد صاحب نے ہی پڑھائی۔

دینی و تعلیمی خدمات: حضرت مولانا شرف الدین بھاگل پوری ۱۹۳۱ء میں مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد دینی، تعلیمی اور تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے مدرسہ خیر المدارس، عمرپور، ضلع بانکا (بہار) تشریف لے آئے۔ اس وقت مدرسہ خیر المدارس کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ بانیٔ مدرسہ فخر بھاگل پور حضرت علامہ و مولانا محمد منور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) نے مولانا شرف الدین صاحب کو اپنے مدرسہ میں بلا لیا اور ان کی علمی صلاحیت و بصیرت کو دیکھ مدرسہ کے جملہ امور اور داخلی معاملات آپ کے سپرد کر دیے۔ مولانا منور حسین شاہ علیہ الرحمہ زیادہ تر تبلیغی و تعمیری دورے پر باہر رہا کرتے اور یہاں مولانا شرف الدین صاحب مدرسہ کے داخلی امور و معاملات، انتظام و انصرام، تعلیم و تدریس اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر لمحہ کوشاں رہتے۔

مدرسہ خیر المدارس حضرت شرفؔ بھاگل پوری کے فکر و عمل کا خاص میدان ہے۔ شروع سے آخر تک آپ اسی ادارے سے وابستہ رہے اور اپنا خونِ جگر پلا پلا کر گلشنِ خیر المدارس کو سینچتے اور سیراب کرتے رہے۔

حضرت شرفؔ بھاگل پوری نے تقریباً ۳۰؍ سال تک مدرسہ خیر المدارس میں دینی و تعلیمی خدمات انجام دیں۔ شاگردوں کو پڑھایا لکھایا، انھیں پروان چڑھایا اور تعلیم کے ساتھ ان کی عمدہ تربیت بھی کی۔ آج شہر بھاگل پور اور بانکا میں جتنے مشہور اور نام ور علما موجود ہیں یا کچھ دنوں پہلے انتقال کر گئے ہیں، وہ سب آپ کے شاگرد اور روحانی فرزند ہیں۔

جس زمانے میں حضرت مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ خیر المدارس میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے، اس زمانے میں آپ کی علمی صلاحیت، آپ کی فارسی دانی اور آپ کی شاعری کا ڈنکا بجتا تھا۔ مدرسہ خیر المدارس میں آپ کی حیثیت عام مدرسوں جیسی نہیں تھی بلکہ یہاں آپ کی حیثیت مدرسہ کے سرپرست اور نگراں کی تھی۔

مولانا شرف الدین صاحب نے مدرسہ خیر المدارس کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں اور تا زندگی مولانا منور حسین رحمۃ اللہ علیہ کے دست و بازو بنے رہے۔ بھاگل پور اور بانکا ضلع کو "مدینۃ العلما" یعنی عالموں کا شہر بنانے میں مولانا منور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ عوام و خواص مولانا منور حسین صاحب کو "بڑے حضرت" اور مولانا شرف الدین صاحب کو "چھوٹے حضرت" کہا کرتے ہیں۔

کسی بھی مدرسہ میں تعلیم و تدریس کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی کی خدمت بھی انجام دینا، بہت بڑی بات ہے ۔ مولانا شرف الدین صاحب زندگی بھر مدرسہ خیر المدارس کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور ادارے کو پروان چڑھاتے رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مولانا شرف الدین صاحب مدرسہ خیر المدارس کے بانی نہ سہی لیکن اس کے معماروں میں سے ضرور ہیں۔

جب بھی مدرسہ خیر المدارس، عمر پور کی تعمیر و ترقی اور شہر بھاگل پور و بانکا میں علمی و دینی خدمات انجام دینے والے علما و مشائخ کی تاریخ لکھی جائے گی تو مولانا منور حسین علیہ الرحمہ کے بعد مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ کا نام سنہرے حرفوں میں لکھا جائے گا۔

مولانا شرف الدین کے تلامذہ: مدرسہ خیر المدارس کے تیس سالہ زمانۂ تدریس میں بے شمار طلبہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ان گنت افراد نے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کے چند مشہور و معروف شاگردوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب آبرؔ بھاگل پوری، جبّار چک، بھاگل پور۔ (۲) حضرت مولانا محمد عبد العزیز صاحب قبلہ چٹیا بلاری، بانکا۔ (۳) حضرت مفتی محمد ظل الرحمٰن صاحب قبلہ ضیائی، سبحان پور کٹوریہ، عمر پور، بانکا۔ (۴) مرشد طریقت حضرت مولانا سید حسنین رضا صاحب قادری دام ظلہ، کیری شریف، بانکا۔ (۵) مولانا

محمود صاحب مرحوم فرزند مولانا منور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ، کٹوریہ، بانکا۔(۶) مولانا عبد الغفار صاحب مرحوم برادر مولانا منور حسین شاہ، کٹوریہ، بانکا۔(۷) حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین شمسی، بلاری، بانکا۔(۸) حضرت مولانا محمد جہاں گیر خان صاحب سگرام پور، بانکا۔(۹) حضرت مولانا محمد ادریس مصباحی ارریہ، بہار۔(۱۰) مرشد گرامی حضرت مولانا محمد کلیم الدین صاحب قبلہ، مقیم حال اڈوارہ، گجرات۔(۱۱) راقم الحروف طفیل احمد کے والد گرامی مولانا حافظ و قاری زین العابدین۔(تحسین عالم رضوی)

اوصاف و خصوصیات: حضرت مولانا شرف الدین بھاگل پوری معقولات و منقولات کے ایک زبردست عالم، اسلامیات کے عظیم اسکالر اور محقق تھے۔ امام الفارسی آپ کا لقب اور استاذ الشعرا آپ کا خطاب تھا۔ فارسی زبان و ادب پر آپ کو بڑا عبور اور دسترس حاصل تھی۔ سعدیِ زمانہ اور حافظِ وقت تھے۔ علاوہ ازیں آپ اخلاق و مروت کا پیکر، صبر و اخلاص کا مجسمہ، بڑوں کے قدر داں اور بچوں پر حد درجہ شفیق و مہربان تھے۔ تواضع و انکساری، ظرافت و خوش مزاجی، احقاق حق و ابطالِ باطل، حق گوئی و بے باکی اور ہمت و جواں مردی آپ کی زندگی کے نمایاں پہلو ہیں۔ صوفیانہ روش پر قائم اور اسلاف کرام کی علمی و روحانی روایات کے پاسبان و امین تھے۔ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے حد درجہ عقیدت مند تھے۔ بریلی شریف اور کچھوچھہ مقدسہ کے علما و مشائخ کا بڑا احترام کرتے تھے، اور ان کا ذکر جمیل بصد ادب و نیاز کیا کرتے تھے۔

قدرت کی جانب سے آپ کو شعر و شاعری کا خاص ملکہ عطا ہوا تھا۔ آپ کے دور میں شہر بھاگل پور کے اندر فارسی دانی اور شعر گوئی میں آپ کا کوئی ہم سر اور ہم پلہ نظر نہیں آتا ہے۔ اردو، فارسی کے علاوہ ہندی شاعری میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔ شاعری آپ کی گھٹی میں پلا دی گئی تھی۔ اگر کسی کے ساتھ آپ کی اَن بَن ہو جاتی تو اپنے

مخالف کو شاعری کے ذریعے ہی جواب دیا کرتے تھے۔

حضرت شرفؔ بھاگل پوری کی شاعرانہ مہارت اور قادر الکلامی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جس وقت آپ کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا، اس دوران کسی موقع پر حضرت مولانا منور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شرف الدین صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک شعر کہا:

کوئی نہیں، نہیں سہی شکوۂ روزگار کیا
جو ہے انیسِ غم ابھی اس کا بھی اعتبار کیا

اس شعر کے جواب میں مولانا شرف الدین صاحب نے فی البدیہہ اور برجستہ یہ شعر کہا:

شدتِ غم سے زندگی، ہے قابلِ رحم مگر
غیروں کے ساتھ آپ بھی ہنستے ہیں بار بار کیا

حضرت شرفؔ بھاگل پوری صرف شاعر ہی نہیں بلکہ استاذ الشعرا اور ایک صاحب طرز ادیب اور عظیم انشا پرداز بھی تھے۔ آپ کی ادیبانہ شان اور انشائیہ نگاری کے بہترین نمونے زیرِ نظر کتاب "منازلِ آخرت" اور "سنسار شانتی سندیسہ" میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

آپ کی زبان و بیان کی چاشنی، طرزِ ادا کا بانکپن اور اسلوبِ تحریر کی دل کشی اس بات کی دلیل فراہم کرتی ہے کہ آپ جتنے بڑے شاعر تھے، اتنے ہی بڑے ادیب اور قلم کار بھی تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے بلند پایہ فکر اور سیّال قلم کی یادگار ہیں۔ (۱) منازلِ آخرت۔ (۲) سنسار شانتی سندیسہ (۱/۲) (۳) گلستانِ بھارت (سونے کی چڑیا) (۴) مسائلِ رضاعت (۵) سراپائے عبرت (۶) آگ اور دھتورا۔

آپ ہمت و جرأت اور حق گوئی و بے باکی میں بھی لاجواب تھے۔ بھاگل پور اور قرب و جوار کے علاقوں میں میں بااثر غیر مسلموں کو آنکھیں دکھانے سے بھی نہیں چُوکتے

تھے۔ آپ حد درجہ ذہین و فطین، حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کے پیکر جمیل ہونے کے ساتھ حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ طبیعت میں سادگی تھی۔

حضرت شرفؔ بھاگل پوری کا ایک نمایاں وصف ''ظرافت و خوش مزاجی'' ہے۔ ظرافت نے آپ کی شاعری پر بھی اپنا عکس جمیل چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری ظرافت و خوش کلامی کا مجموعہ بن گئی ہے اور ''طنزیہ اسلوب'' اس پر مستزاد ہے۔ طنز و ظرافت سے آپ نے اصلاحِ امت کا کام لیا ہے۔۔ گلستانِ بھارت (سونے کی چڑیا) کے ذریعہ مولانا شرف الدین بھاگل پوری نے قوم و ملت کے افراد کو جو داعیانہ پیغام اور مصلحانہ آواز لگائی تھی، اس کی صدائے بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ ''گلستانِ بھارت'' کے ہر شعر میں ایک نصیحت آمیز پیغام اور دینی اقدار کے فروغ کی تڑپ پوشیدہ ہے۔

افسوس صد افسوس! ۲۱/ نومبر ۱۹۸۸ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور اس طرح علم و ادب اور شعر و سخن کا یہ دمکتا ہوا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ نماز جنازہ آپ کے چھوٹے داماد حافظ محمد شکیل احمد نے پڑھائی۔ آپ کا مزار مہگاواں پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔

محمد طفیل احمد مصباحی
نائب مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ
۲۵/ جولائی ۲۰۱۳ء بروز جمعرات
Mob:-09621219786

تمہیدی کلمات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے خالق دوعالم و اے مالک یوم الدین! جب تو نے ہمارے وجود کو چار جامۂ عناصر (پانی، مٹی، آگ، ہوا) سے زینت دیا ہے تو قبل اس کے کہ کل نفس ذائقۃ الموت کا عالم طاری ہو کر بادِ (ہوا) کل من علیها فان سے جامۂ ہستی کی تار و پود بکھر جائے، ہمیں زیور علم و عقل سے آراستہ فرما کر اپنی محبت و معرفت کی شراب سے ایسا مست کر دے کہ فنا و بقا اور وجود و عدم کا کھٹکا اٹھ جائے اور دنیا و آخرت میں سوائے تیرے کوئی ہمارا مطلوب و مقصود نہ رہے۔

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آنکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

خداوندا! یہ ذرا سی جان اور گز بھر کی زبان، ایک مشتِ خاک وہ بھی نجس و ناپاک اور تیری حمد ع: چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ تیری حمد و ثنا اور سر تا پا گناہوں میں غرق اور ڈوبا ہوا بھلا کیسے کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کہاں بندہ اور کہاں خدا! ع: ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔ پروردگار عالم تیری تعریف و توصیف میں زبان کھولنا در حقیقت چھوٹا منہ اور بڑا بول بولنا ہے۔ لیکن چونکہ حمد و شکر کا نہ کرنا بھی کفرانِ نعمت (ناشکری) ہے، اس واسطے میں تیرے ہی الفاظ کو جو تو نے اپنے شان میں استعمال کیے ہیں دہرا دیتا ہوں۔ اس لیے کہ میں جو کچھ بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تیری تعریف کروں گا اس سے تو کہیں ارفع و اعلیٰ ہے اور تو نے جو الفاظ اپنی شان میں استعمال کیے ہیں، در حقیقت تو ویسا ہی ہے۔ اس لیے کہ تو اپنی کُنہ حقیقت سے واقف و آگاہ اور میری عقلِ نارسا تو اپنے ہی ادراکِ حقیقت میں طائرِ دست و بازو شکستہ اور مرغِ پر و بال سوختہ ہے۔

پھر تیری اوجِ ذات تک پرواز کیوں کر ممکن ہے۔

ولنعم ماقیل: (کیا ہی خوب کہا گیا ہے)

نہ براوجِ ذاتش پرد مُرغِ وہم　　　نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

پروردگار عالم! تو بڑا داتا ہے، تیری نعمتیں ہم پر بے حد و بے شمار ہیں۔ تو جملہ عیوب و نقائص سے پاک و بَری ہے۔ تو حیّ و قیوم ہے۔ حدوث و عدم اور فنا و موت کی آلودگیوں سے تیرا دامن پاک ہے۔ تو واجب الوجود ہے۔ امکان کا تجھ میں کچھ شائبہ نہیں۔ البتہ سارے ممکنات پر تو قادر اور سب کا خالق ہے۔ تجھ کو نہ کسی باپ نے پیدا کیا ہے، نہ کوئی ماں جنی ہے۔ تیرے نہ کوئی بیوی ہے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی۔ تو ساری چیزوں کا خالق اور مالک و مولیٰ ہے۔ ہر چیز اپنے وجود و بقا میں تیری محتاج ہے۔ تو کسی کا محتاج نہیں۔ تو ایک ہے، اکیلا ہے اور تیرا شریک و ساجھی کوئی بھی نہیں ہے۔ تو بے مثل و بے نظیر ہے۔ عقل و جہت، مکان و زبان و کم و کیفیت سے تیرا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ تو ساری چیزوں کو محیط ہے۔ تو سمیع و بصیر ہے۔ ہر شے کا دیکھنے اور سننے والا ہے۔ سارے جہان کا نگہبان اور رکھوالا ہے۔

اللہ العالمین! جس طرح تیری ذات مستجمع جمیعِ صفاتِ کمال (تمام خوبیوں کا مجموعہ) ہے، اسی طرح تیرے پیارے حبیب، احمد مختار، مکہ کے سرکار، ذاتِ سراپا برکات، مجموعۂ حسنات و خوبی ہیں۔ جیسے تو الہ العالمین ہے، ویسے ہی وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ جتنے کا تو خدا ہے، اتنے کے وہ رسول ہیں۔ جیسے تیری ذات و صفات کا ادراک غیر ممکن، ویسے ہی ان کی عزت و حرمت (احترام) کی بلندیوں کا درک و فہم محال۔ ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں　　　خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہ ضرور ہے کہ وہ جامۂ انما انا بشر مثلکم میں ملبوس ہو کر ہمارے سامنے آئے۔ شانِ رفعت مکان ورفعنا لک ذکرک عیاں ہے۔ بیشک ان کے فضائل

وکمالات بے شمار ہیں۔ اگر یہ کہنا کفر و شرک نہ ہوتا تو میں کیا ساری دنیا کہہ اٹھتی کہ " اللہ جلّ مجدہ اس دنیا میں محمد ﷺ کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا"۔ لیکن معاذ اللہ، صدبار معاذاللہ! ہم ایسا ہرگز نہیں کہتے اور نہ اس پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ تیری ذاتِ پاک اور تیرے محبوب ﷺ کی ذات پاک میں فرق ہے۔ تو قدیم وہ حادث، تو خالق وہ مخلوق۔ وہ عبد اور تو معبود۔ البتہ شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے۔

ع محمد سرِّ قدرت ہے کوئی رمز اس کا کیا جانے

اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے بعد اگر کوئی واجب التعظیم اور بڑی ہستی ہے تو انھیں کی ذاتِ پاک جو شفیع المذنبین فی یوم الدین (قیامت کے دن گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے) ہیں۔ بس (اس صفت کا حامل) اور کوئی نہیں۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خداوند عالم! جیسے تیرے علوم غیر متناہی (جس کی کوئی انتہا نہ ہو) ولا محدود ہیں، اتنے ہی ان پر صلوۃ و تسلیم نچھاور کر اور ان کے اصحابِ کبار و آلِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین پر صلوۃ وسلام کا گلدستہ پیش ہے۔ یاایھاالذین اٰمنوا صلّوا علیه وسلّموا تسليما. اللهمّ صلِ علیٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ آله و أصحابه اجمعین عددماذکرك الذاكرون وغفل عن ذكرك الغافلون.

بعد حمد و صلوٰۃ کے گوشہ نشینِ گم نامی وزاویہ نشینِ ناکامی، کم ترین **محمد شرف الدین ابن قمر الدین مہگاویں** غفراللہ لھما اربابِ علم و یقین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حقیر رسالہ "**منازل الآخرۃ**" کو میں نے بغیر استمدادِ کتب (دوسری کتابوں سے مدد لیے بغیر) صرف حاضر فی الذہن (ذہن و دماغ میں موجود باتوں) پر اکتفا کر کے لکھا ہے۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ اکثر جگہ اربابِ نظر و اصحابِ علم کو کوتاہیاں و خامیاں نظر

آئیں۔کیوں کہ ابن آدم کی حیثیت سے غلطیوں کا بہر حال امکان موجود ہے۔

لٰہذا اہل علم سے گذارش ہے کہ وہ مصنف کو ہدفِ ملامت و نشانۂ تنقید بنانے کے بجائے کتاب میں موجودہ خامیوں اور غلطیوں سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ان کی اصلاح ہوسکے۔ العذر عند کرام الناس مقبول:(اچھے لوگ عذر اور غلطی قبول کرنے والے ہوتے ہیں)

یہ تالیف کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے۔لیکن تاہم سمجھانے کا جو اصول اختیار کیا گیا ہے۔یہ حقیر کتاب اس لحاظ سے اگر قابل تعریف نہیں تو لائق ملامت بھی نہیں ہے۔ یوں تو اسلاف نے اس مضمون پر بہت سی کتابیں لکھیں ہیں جن کے سامنے یہ چھوٹا سا حقیر رسالہ آفتاب کے سامنے چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔اگر چہ اس حیثیت سے اس کا لکھنا سراسر حماقت اور فضول ہے۔لیکن چونکہ آفتاب کا ہر جگہ اور ہر وقت دستیاب ہونا اور ہر آنکھ کو اس کا متحمل ہونا مشکل ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ چراغ بھی رہے تاکہ ہر خاص و عام اور ہر چھوٹی بڑی آنکھ اس سے مستفید ہوسکے۔اس کے علاوہ یہ کہ پہلی کتابوں میں اگلے زمانہ کے لحاظ سے سیدھے سادھے طرز کو اختیار کیا گیا ہے،جس سے فی زمانہ لوگ بہت ہی کم دلچسپی لیتے ہیں۔لیکن اس میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے وہ مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے آغوش میں ان دلچسپیوں کو بھی لیے ہوئے ہے جس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔اگرچہ میری تالیف انھیں بزرگوں کی پاک و مقدس تصانیف کا نتیجہ ہے،اور یہی وجہ ہے کہ اس میں سوائے طرز تحریر کے،اور کوئی جدید بات نظر نہیں آئے گی۔ تاہم ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے یہی بہت ہے۔ ممکن ہے یہی قوم کی بیداریوں،دلچسپیوں اور میری نجات کا باعث بن جائے۔

و المسئول من اللہ تعالیٰ حسن التوفیق.

خوش خبری

اس کتاب کو لکھے ہوئے عرصہ سات سال کا ہوگیا اور احباب کا اصرار و تقاضا برابر اس کی اشاعت کے لیے ہوتا رہتا تھا۔ لیکن افسوس! کم مائیگی اور کثرتِ مشاغل کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی اور بہت ممکن تھا کہ ابھی اور کچھ دنوں تک شائقین کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی۔ لیکن الحمد للہ، ثم الحمد للہ! کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے غیب سے اس کا انتظام فرمادیا اور اپنے نیک بندے مولوی سیّد محمد ابوالعُلیٰ صاحب ہلدوی مونگیری کے سر اس سعادت کا سہرا باندھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے اور درجاتِ عالیہ پر فائزالمرام کرے۔ آمین ثم آمین۔

محمد شرف الدین عفی عنہ

نزع کا عالم

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

دنیا کی خوشی، عیش وآرام اور چین سب مجھ کو ہیچ معلوم ہو رہے تھے۔ کسی چیز میں اب نہ تو وہ دلکشی پائی جاتی تھی اور نہ وہ مزہ، جو کچھ دنوں نہیں بلکہ کچھ دیر پہلے میری دلچسپیوں کا باعث بنی ہوئی تھی۔ نازک سے نازک اور خوبصورت سے خوبصورت پھول میری نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹک رہے تھے۔ اچھی سی اچھی اور سریلی سی سریلی صدائیں میرے کانوں میں انکرالاصوات (سب سے بُری اور بھدّی آواز) سے کم نہیں تھیں۔ حسین سی حسین صورتیں جو میری دلفریبیوں کا سامان بنی ہوئی تھیں، اب ان کو میرا دل نفرت کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بیوی بچے لڑکے، مال ودولت، غرض دنیا کی جتنی چیزیں اور جتنے مزے تھے سب کو میرا دل الوداع کہہ کر ایک دور دراز سفر کی تیاریوں میں مشغول تھا اور میری آنکھیں ان ساری چیزوں کو جنھیں میں نے بڑی بڑی مشقتوں سے حاصل کیا تھا اور جن کے واسطے میں نے بڑے بڑے حوادث کا مقابلہ کیا تھا، حسرت سے دیکھ رہی تھیں۔ ان عزیزوں کو جنھیں میں نے خونِ جگر پلا پلا کر پالا تھا میں انتہائی مایوسیوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ میری حسرت آلود نگاہیں کبھی اپنے یگانوں کا منہ تکتی تھیں اور کبھی در و دیوار سے ٹکراتی تھیں اور کبھی دنیا کی بے ثباتیوں پر آنسو بہاتی ہوئی فضا میں گم ہو جاتی تھیں۔

ہائے وہ کیسی گھڑی تھی اور کیسا وقت تھا جب میرے عزیز واقارب اور دوست و احباب میرے بسترِ مرگ سے لگے بیٹھے ہوئے میرے کوچ اور اپنی بے کسی و بے بسی پر افسوس کرتے ہوئے مجھے رخصت کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ عزیز احباب مجھ

سے چھوٹ رہے تھے، بلکہ ہاتھ پاؤں بھی اپنا اپنا سر پٹک پٹک کر مجھ سے جدا ہو رہے تھے۔ آنکھوں کی بصارت اور جسم کی قوت بھی آہستہ آہستہ مفقود (ختم) ہوتی جا رہی تھی۔ حواس خمسہ ظاہری و باطنی غرض دنیا کے جتنے ساتھی اور معاون و مددگار تھے سب میرا ساتھ چھوڑ رہے تھے اور مجھ سے بچھڑ رہے تھے اور آخرت کے نئے نئے آنے والوں سے ملاقات ہو رہی تھی۔ اگرچہ میری آنکھیں مناظر دنیا کی دید سے محروم اور کان بہرے اور زبان خاموش ہوتی جا رہی تھیں لیکن ساتھ ہی مناظر آخرت کی دید کے لیے مجھے قدرتی دواخانہ سے ایک خاص قسم کی تلخ اور کڑوی دوا دی گئی تھی کہ جس کے کھاتے ہی چشمِ حقیقت کھل گئی اور دوسرا عالم نظر آنے لگا اور میری باطنی قوتِ بصارت و سماعت اس سے کہیں زیادہ ہو گئی جو مجھے مادی کانوں اور آنکھوں سے حاصل تھیں۔

میں نے دیکھا کہ میرے سامنے بہت سی نورانی صورتیں اور بہت سی بدصورت اور خبیث و بھونڈی شکلیں کھڑی ہوئی ہیں۔ اول الذکر نے تو مجھے سکرات جیسی کڑوی اور تلخ دوا پلائی تھی جس سے مجھے سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ میرے ہر بُنِ مو (بال کی جڑ) سے پسینے نکلنے لگے۔ خون خشک ہونے لگا اور پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ میں بیتاب ہو گیا۔ میری بیتابی کو دیکھ کر ایک خبیث شکل جس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں اور بڑے بڑے دانت منہ سے نکلے ہوئے تھے، اس کی گردن چھوٹی اور پیشانی تنگ تھی۔ ہاتھ پاؤں بہت ہی لمبے لمبے اور پتلے پتلے تھے۔ نہایت ہی بے ڈھنگے پن سے میری طرف بڑھی اور شیطانی قہقہہ لگا کر کہا: کیا تمہیں پیاس لگی ہے؟ میں نے کہا: ہاں نہایت شدت کی پیاس لگی ہے۔ اس نے ایک آب خورا (کوزہ، پانی پینے کا چھوٹا سا برتن) پانی کا اٹھایا اور کہا یہ پانی تمھارے واسطے ہے۔ اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو گے تو میں ابھی تمہیں سیراب کر دوں گا۔ میں نے کہا: پہلے پانی پلاؤ پھر پیچھے شرائط گنوانا۔ اب وہ میری بیتابی کو دیکھ کر کچھ پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا: میاں! ساری عمر تم نے گمراہی میں بسر

کردی۔ اب اخیر وقت میں بھی راہ راست پر آجاؤ تو تمھاری عاقبت بخیر ہو اور پیاس کی تکلیف سے نجات پا جاؤ۔ میں نے کہا: گمراہی کیسی گمراہی؟ اس نے کہا: گمراہی یہ کہ اب تک تم نے اپنے اصلی معبودوں کو نہیں پہچانا اور زندگی بھر سب کا انکار کرتے رہے۔ اب بھی وقت ہے میرے آگے جھکو اور پانی لو۔ میں نے کہا: سوائے خدا کے اور کون معبود تھا جس کا میں نے انکار کیا؟ اس نے کہا: بہت سے اور ان میں سے ایک تو میں ہی ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی میرے یہ جتنے ساتھی ہیں سب کے سب خدا ہیں اور وہ بھی خدا ہے جس کو تم مانتے ہو۔ لیکن وہ آسمان کا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہیں۔ میں نے کہا: اس کی دلیل؟ اس نے کہا: اس کی دلیل یہ ہے کہ صرف تم مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی جتنی قومیں ہیں سب کے سب ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔

عیسائی کم سے کم تین خدا کو مانتے ہیں۔ یہودی خدا کے بیٹے بیٹیوں کے قائل ہیں۔ زرتشتی نیکی و بدی کے دو خدا (یزداں اور اہرمن) الگ الگ مانتے ہیں۔ آریہ روح، مادہ اور ایشور کی قدامت کو تسلیم کرتے ہیں اور ہندوؤں کے ہاں تو ان گنت و بے شمار خدا ہیں۔ غرض کہاں تک گناؤں؟ تم جس کو بھی دیکھو گے سوائے مسلمانوں کے سب کے سب ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ زمین و آسمان کا انتظام محض ایک ذات سے ہرگز سنبھل نہیں سکتا۔ بیک وقت ایک ذات سے مختلف انتظامات کا صدور محال ہے۔ اس کے بعد اُس نے کہا جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور بعد کو کفِ افسوس ملتے رہو۔ طالب حق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اکثریت کو دیکھے اور سمجھے کہ دنیا کی اتنی قومیں ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتیں اور کبھی غلطی نہیں کر سکتیں۔ اور اگر اس سے بھی تشفی نہیں ہو تو دلائل و براہین کی روشنی میں عقل سے کام لو کہ میں نے تمھارے سامنے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ایک دو دلیل بھی پیش کر دی۔ میں نے اس کی تقریر کو سن کر کہا: او نالائق و خبیث! یہ سب کے سب گمراہ ہیں۔ اور ان میں

سے ایک بھی حق پر نہیں ہے۔ ان کی اکثریت اور میری اقلیت ہرگز اس بات پر دلیل نہیں کہ اکثریت حق ہی پر ہو۔ بلکہ میں اپنے تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر زمانہ میں عقل مندوں کی تعداد کم اور بیوقوفوں کی زیادہ رہی ہے۔ دیکھو پتھر زیادہ ہوتا ہے اور ہیرا کم۔ کانٹے زیادہ ہوتے ہیں اور پھول تھوڑے۔ رذیل النفس زیادہ ہیں اور شریف النفس کم۔ لیکن آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ کسی نے بیوقوف کو سراہا ہے۔ پتھر کی عزت کی ہے۔ کانٹوں میں دل کو پھنسایا ہے اور رذیل النفوس کو اچھا کہا ہے۔

اس کے علاوہ تمھارے قول کے مطابق اگر ایک سے زیادہ دو چار خدا ہو جائیں تو بندوں کے بھی ناک میں دم آجائے اور خداؤں میں بھی آپس میں لڑائی جھگڑا شروع ہو کر ایک دن میں نہیں ایک سکنڈ میں نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نے کہا: ہاں! ایسا ہو سکتا ہے کہ سب کے سب آپس میں مل کر نظام عالم اور کاروبارِ دنیا چلائیں۔ جیسے آج کل پارلیمنٹ کے ذریعہ سب کام ہوا کرتا ہے۔ اور مختلف اشخاص کی رائے سے امورِ سلطنت انجام دیے جاتے ہیں۔ میں نے کہا: او بیوقوفو! تیری عقل کہاں ہے؟ نہ معلوم تو کس منہ سے خدائی کا دعویٰ کرنے آیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آج پارلیمنٹ کے ذریعہ کام انجام پاتے ہیں، لیکن اس میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور آپس میں دَھول دھپّا (مار پیٹ، لڑائی جھگڑا) بھی۔ پھر بھی سب کی رائیں صائب (درست) نہیں ہوتیں بلکہ دو ہی چار کی رائیں درست ہوتی ہیں اور باقی کے لغو و مہمل۔ ان میں بھی ایک ہی کی رائے کو قبولیت کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر پارلیمنٹ کی ضرورت ہی نہ پڑے یعنی اگر سب کی رائے اور عقل و دانش یکساں کام کرنے لگے تو پھر اجتماع ایک بے کار شے ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں جس کا جو کچھ جی چاہے گھر بیٹھے کر لے اور سب لوگ اس کو مان لیں۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اجتماع کے اندر اختلاف رائے ضرور ہے اور اختلاف رائے مستلزم ہے اختلاف عمل کو اور جہاں ایک شے میں ایک حیثیت سے عمل کا اختلاف ہوا پھر اس شے کی خیریت نہیں۔

چنانچہ یہی تو وجہ ہے کہ پارلیمنٹ والے بھی اپنا ایک سردار منتخب کر لیتے ہیں، جس کو بادشاہ کہتے ہیں۔ پھر وہ جس کی تدبیر درست دیکھتا ہے اس کو رکھتا ہے اور دوسروں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ بہرحال اس اجتماع میں ہر ایک بادشاہ نہیں ہوتا، بلکہ بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ کام سب کے مشورہ سے ہوتا ہے لیکن وہ سب کے سب بادشاہ نہیں ہوتے بلکہ ماتحت ہوتے ہیں۔ اگر وہ ذرا بھی بادشاہ کی مخالفت کریں تو فوراً وہ کان پکڑ کر نکال سکتا ہے۔ او نالائق! تو مجھ کو دھوکا دینے آیا ہے تو یقیناً شیطان ملعون ہے۔ اف! میری جان پیاس سے نکلی جا رہی ہے۔

ابھی میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ میرے کان میں تلقین کرنے والوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے فوراً چونک کر لاحول اور کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی عزیزوں نے مجھے نہایت عمدہ عمدہ شربت بھی پلانا شروع کر دیا جس سے میری پیاس بھی کم ہوگئی اور لاحول و کلمہ طیبہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ خبیث یہ کہتا ہوا بھاگا کہ بچ گیا ورنہ آج تیری عمر بھر کی کمائی خاک میں ملا دیتا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اور شربت پی لینے کے بعد مجھے اطمینان اور سکون ہوا اور میں نے دیکھا کہ میری طرح اور بھی بہت سے لوگ سفر آخرت کے لیے کمربستہ و تیار ہیں اور ہر ایک کو وہی سکرات نامی دوا کھلائی گئی ہے۔ جس کو بعضوں نے تو نہایت خوشی سے کھالیا ہے۔ اور بعضوں کو زبردستی کھلائی گئی ہے اور سب کے پاس نورانی فرشتے بھی ہیں اور بدصورت و خبیث مسٹر عزازیل (شیطان کا سرغنہ) بھی اپنے چیلوں چپاٹوں کے ساتھ اپنی فریب کاریوں سے ایمان واسلام پر ڈاکہ زنی میں مصروف ہیں۔ بہتیرے اچھے اور نیک لوگ تو فوراً اس مردود کو آتے ہی لاحول کی ضرب سے مار بھگاتے تھے اور بہت سے قدح (بحث و مباحثہ) کے بعد اسے شکست دیتے تھے۔ لیکن اکثر ایسے بھی تھے جو اس کے دام فریب میں پھنس جاتے تھے اور عمر بھر کی کمائیوں کو ایک سکنڈ میں برباد کر کے حسرت و ندامت لیتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے۔ شیطان کے چلے جانے کے بعد ان

فرشتوں نے جن کی صورتوں سے نور ٹپکتا تھا میرے جسم پر بڑھ کے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ان کے ہاتھوں میں نہ معلوم کون سی مقناطیسی قوت تھی کہ جس کے رکھتے ہی میرے جسم میں ایک سنسناہٹ سی پیدا ہوگئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی چیز نہایت سرعت کے ساتھ میرے بدن سے نکل کر ان کے ہاتھوں سے لپٹی جا رہی ہے۔ جس کی تکلیف بیان سے باہر ہے۔

اس کے بعد وہ فرشتے اس لطیف چیز کو جو میری روح تھی لے کر آسمان کی طرف متوجہ ہوگئے اور میرا جسم خاکی بالکل بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اپنے جسم سے بہت ہی لگاؤ اور تعلق تھا۔ میں باوجودیکہ آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا مگر سب کی آوازوں کو سنتا اور جسمی (جسمانی) تکالیف کو محسوس کرتا تھا۔ میں نے جاتے وقت دیکھا کہ ہر چہار طرف سے فرشتے اپنے اپنے ہاتھوں میں کچھ لیتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی فرشتہ نہایت خوبصورت ہے اور کوئی نہایت ہیبت ناک اور ڈراؤنا۔ جو خوبصورت تھے ان کے ہاتھوں میں کچھ ایسی خوشبودار چیزیں تھیں کہ سارا زمین و آسمان معطّر ہو رہا تھا اور جو ہیبت ناک تھے ان کے ہاتھوں میں خدا جانے کیسی گندہ اور متعفن چیزیں تھیں کہ بہت بدبو پھیل رہی تھی۔ چنانچہ ان فرشتوں کے آسمان تک پہنچتے ہی پہلے آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ کروڑوں کی تعداد میں مختلف شکل و صورت کے فرشتے یہاں موجود تھے۔ سب کے سب ان خوبصورت فرشتوں کو دیکھ کر اور ان کے ہاتھوں کی خوشبودار روح کی خوشبو سے مست ہو ہو کر نہایت خوشی منا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ پاک روح ہے نیک اور مبارک جسم سے آئی ہے اور ان خوفناک فرشتوں کے ہاتھ کی بُری روح کی بدبو اور تعفّن سے سب کے سب نفرت کر رہے تھے اور اپنی اپنی ناک دبا دبا کر یہ کہتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے کہ یہ ناپاک روح ہے اور خبیث جسم سے آئی ہے۔

چنانچہ فرشتوں کے اس تنفر اور بیزاری کی وجہ سے ایک آواز آئی کہ اس کو جلدی پہلے ہی آسمان پر سے اسفل السّافلین (جہنّم کا سب سے نچلے طبقہ) کی طرف پھینک دو اور سب

آسمانوں کا دروازہ بند کر دو تاکہ ساکنانِ ملائے اعلیٰ کو اس خبیث روح کی گندگی سے اذیّت نہ پہنچے اور منادی کر دو کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے، اس کے کارنامے نہایت ہی بُرے ہیں۔ چنانچہ وہ نہایت ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے پھینک دی گئی اور نیک لوگوں کے واسطے حکم ہوا کہ ان لوگوں کے لیے ساتوں آسمانوں کے دروازے کھول دو اور تمام خوب گشت کرا کے منادی کر دو کہ یہ فلاں بیٹا فلانے کا ہے، اس کے اعمال اچھے اور افعال نیک تھے۔ بس حکم کی دیر تھی۔ ساتوں آسمانوں کے دروازے کھل گئے اور فرشتے سب کو سیر کرانے لگے۔

چنانچہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ملائے اعلیٰ کی سیر کر رہا تھا کہ ناگاہ (اچانک) بہت سے لوگ میرے جانے پہچانے ہوئے شہر اور محلے کے جن میں بہتیرے میرے عزیز و اقارب بھی تھے، مجھ سے ملے اور مجھے دیکھتے ہی اتنے خوش ہوئے جتنا کوئی اپنے مفقود شدہ عزیز کے ملنے سے خوش ہوتا ہے۔ پھر سب کے سب نہایت تپاک اور گرم جوشی سے لوگوں کی حالت دریافت کرنے لگے کہ فلاں آج کل کیسا ہے اور فلاں آج کل کیا کرتا ہے؟ ان میں سے بعض نے بعضوں کے متعلق جو مجھ سے قبل عالم آخرت کی طرف چل چکا تھا یہ بھی کہا کہ: اجی چھوڑو بھائی اس کی حالت کیا دریافت کرتے ہو؟ وہ رات دن دنیا میں منہمک رہتا تھا۔ آج بھی دنیا کی فکر میں لگا ہو گا۔ اسے خدا اور رسول سے کیا غرض اور آخرت کی کیا فکر ہے۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا وہ ابھی تک نہیں آیا ہے؟ وہ تو زمانہ ہوا کہ مجھ سے پہلے ہی روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا کہ شاید وہ اسفل السّافلین کی طرف ڈھکیل دیا گیا ہو اور اس کی بداعمالیوں نے اسے قعرِ مذلت (ذلت کے گڈّھے) میں ڈال دیا ہو۔ اس کے بعد میں وہاں سے چل نکلا۔ خوب سیر کی، جب تمام کی سیر و سیاحت سے فارغ ہو چکا تو سب کے واسطے حکم ہوا کہ: اکتب عبادی فی اعلیٰ علیّین۔ میرے بندوں کا نام دفترِ اعلیٰ علیّین میں لکھ دو۔ منکر نکیر کے سوال و جواب کے لیے ان روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دو۔ چنانچہ سب روحوں کو لے کر زمین کی طرف واپس آنے لگے۔

آخرت کی پہلی منزل

کڑی وہ گور کی منزل وہ تاریکی وہ سنّاٹا
ہمارا دم نکل جاتا ہے جب ہم یاد کرتے ہیں

دنیا والوں کے لیے صبح کی سہانی گھڑی اپنی آغوش میں بے انتہا دلچسپیوں کو لیے نمودار ہو چکی تھی۔ سبزوں پر شبنم کے چمکتے ہوئے قطرے، کھِلتے ہوئے پھول، ہنستی ہوئی کلیاں، لہلہائے ہوتے سبزے لوگوں کے دلوں میں تازگی کی روح پھونک رہے تھے۔ لیکن میں بے حس و حرکت کھڑا تھا اور مجھے قطعاً ان چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ میری موت پر میرے عزیزوں کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھیں۔ اور پپوٹے پھول پھول گئے تھے۔ وہ روتے بھی جاتے تھے۔ میں بھی ان کی جدائی پر حسرت کر رہا تھا لیکن آہ! میں اپنے غم کو ظاہر کرنے پر قادر نہ تھا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے جن کی بھولی بھالی صورتوں کو دیکھ کر اور پیاری پیاری باتوں کو سن کر میں سارا رنج والم بھول جاتا تھا اور فرط مسرت سے بیتاب ہو کر ان کے خوبصورت چہرے کو چوم لیتا تھا، بلک بلک کر رو رہے تھے۔ میرے ماں اور باپ جنھوں نے مجھ کو اپنا لختِ دل کھلا کر اور خونِ جگر پلا پلا کر پالا تھا، جو میرے آرام کی خاطر اپنے عیش و آرام کو ترک اور رات رات بھر اپنے اوپر نیند حرام کر کے میری ناز برداری کرتے رہے تھے، وہ میرے فراق میں اپنی آنکھوں سے اشکوں کا دریا بہا رہے تھے اور غم والم سے ان کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔ پیاری رفیقۂ حیات انیسِ زندگی جس نے برسوں میرے ساتھ محبت کا برتاؤ کیا اور میرے شریک حال رہ چکی تھی۔ جو میرے پیار و محبت بھری نظروں کو دیکھ چکی تھی۔ جو میرے بغیر ایک لمحہ بھی چین سے نہ رہ سکتی تھی۔ جس کا بناؤ سنگار راج سہاگ سب میری بدولت، وہ پچھاڑیں کھا رہی

تھی اور میری غیر معمولی سکوت پر سر پٹک رہی تھی۔ ہائے میری وفادار بیوی اور غمخوار زندگی! جس نے ہر مصیبت میں میرا ساتھ دیا اور ہر دکھ سکھ میں میری شریک رہی کہ اگر اتفاق سے کبھی میرے سر میں خفیف سا درد ہو جاتا یا ذرا سی طبیعت ناساز ہو جاتی تو ساری ساری رات ایک پاؤں پر کھڑی میری خدمت کرتی رہتی اور آنکھوں آنکھوں میں رات گذار دیتی، وہ میری جدائی پر بے چین و بے قرار ہو رہی تھی۔ میرے دوست و احباب جن کے دم قدم سے زندگی کا لطف اور دنیا کا مزہ تھا۔ جو برابر دن رات ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والے تھے۔ جنہیں بغیر میرے کسی چیز میں مزہ نہیں ملتا تھا۔ جو ہمیشہ دکھ سکھ اور رنج و راحت میں میرے معاون و مددگار تھے۔ میری سرد مہریوں (خاموشیوں) پر افسوس کر رہے تھے اور آنکھوں سے اشکِ خونیں بہا بہا کر اپنے خلوص و محبت کا ثبوت دے رہے تھے۔ لیکن ہائے یہ سفر ایسا نہیں تھا جس سے دنیا کی کوئی قوت اور کسی چیز کی محبت روک سکتی۔ بلکہ جب اور جس وقت: اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة وّ لا يستقدمون۔ کا پروانہ مل جاتا ہے تو چار و لاچار جانا ہی پڑتا ہے۔ بلکہ اس پروانہ کے بعد ہی لوگ اتنی جلدی روانہ کرنے کی فکریں کرنے لگتے ہیں کہ بیان سے باہر۔ یہاں تک کہ باپ اپنے پیارے بیٹے کو، ماں اپنے لاڈلے بچے کو، بیوی اپنے شوہر کو، شوہر اپنی چہیتی بیوی کو جلد سے جلد نہلا دھلا کر خوشبو مل کر اور کفن پہنا کر کاندھوں پر لا کے ہمیشہ ہمیش کے لیے خاک کے نیچے چُھپا دیتے ہیں۔

ایک لکڑی کے تختے پر جو لوبان کی دھونی سے باسا گیا تھا، دوستوں اور عزیزوں نے لٹا کر نیم گرم پانی سے جو بیر کی پتی ڈال کر جوش دیا گیا تھا، مجھے غسل دینا شروع کیا۔ آہ میں کتنا مجبور ہو رہا تھا کہ اپنی اس تکلیف پر جو نہلاتے وقت مجھے ہو رہی تھی دم بھی نہیں مار سکتا تھا۔ اگرچہ یاروں نے نہایت آہستگی سے سیلا سیلا کر نہلانا شروع کیا تھا۔ جب بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ پتھر پر ہم کو جیسے موت کے زبردست ہاتھوں نے کوٹ دیا تھا زور

زور سے رگڑ رہے ہیں۔ غسل کے بعد مجھے تابوت میں رکھ کر میرے اعضائے سجود پر کافور مل کے کفن میں جو خوشبوؤں سے معطر کیا گیا تھا لپیٹ کر اور ایک چادر سے چھپا کر لوگ مجھے سفر آخرت پر بھیجنے کی تیاری کر رہے تھے۔

اس کے بعد میرے اعزہ (دوست احباب، قریبی لوگ) نے آخری رونمائی کے لیے میرے چہرہ سے چادر ہٹا دیا۔ دیکھنے والے جوق در جوق آ رہے تھے اور حسرت سے مجھے دیکھ دیکھ کر آنسوؤں کی جھڑیاں برسا رہے تھے۔ میرے گھر کی عورتوں اور بوڑھے بچوں نے تو مجھے دیکھتے ہی ایک کہرام مچا دیا۔ خاص کر میری بوڑھی ماں جس نے بڑے آس اور ارمان سے مجھے پالا تھا کچھ ایسی درد بھری آواز سے روئی کہ سننے والوں کا کلیجہ ہل گیا۔ میری بیوی پر تو پہلے ہی سے سکتہ کا عالم طاری تھا اب تو اور بھی بدحواس ہو کر گر پڑی۔ باپ جس کی کمر خم (ٹیڑھی) ہو گئی تھی اور سینہ پھٹ گیا تھا مجھ کو دیکھتے ہی اتنے زور سے چیخے کہ بیہوش ہو گئے۔ میرے ننھے ننھے بچے جو لوگوں کا منہ یاس و حسرت سے دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے مجھ کو دیکھتے ہی اور بھی بلکنے لگے۔ خاص کر میرا خوبصورت و حسین بھولا بھالا ننھا اسلم جس کی عمر بمشکل تین چار سال کی ہو گی جب سسکیاں لیتا ہوا اور تتلا تتلا کر ”میلے اچھے ابا آپ تہاں دالہے ہیں“ (میرے اچھے ابا آپ کہا جا رہے ہیں) کہتا ہوا لپٹ گیا تو اور بھی کہرام مچ گیا اور میری روح بھی بے چین ہو کر تڑپ اٹھی۔ آہ! میرے پیارے بچو! اب تمہیں کون کھلائے گا؟ کون تمھاری ناز برداری کرے گا؟ اب تم کس پر مچلو گے؟ کون تمھاری بھولی بھولی باتوں کو سن کر تمھارا منہ چومے گا؟ آہ! اب تم یتیم ہو اور یتیمی تمھارے سروں پر کھیل رہی ہے۔ بے کسی و بے بسی تمھارا ساتھ دے رہی ہے۔ میری آنکھوں کے نور اور جگر کے ٹکڑو! اب میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں سے کوئی پھر نہیں آتا ہے۔ وہاں نہ کسی کا حال معلوم ہوتا ہے اور نہ کسی کی خبر معلوم ہوتی ہے نہ خیریت۔

میرے نونہالو! لوگوں کے بچے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گے، عمدہ عمدہ کھانا کھائیں

گے، بسا اوقات تمہیں گدڑی بھی میسر نہ ہوگی، فاقہ کرنا پڑے گا لیکن صبر و شکر سے کام لینا۔ اللہ کا نام لینا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ بس اب تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تمھارا حافظ و نگہبان رہے۔ ہائے یہ کیسا سفر اور کیسا جانا تھا کہ درودیوار سے حسرت و اداسی برس رہی تھی۔ گھر تو گھر محلہ بھر میں عجب یاس و ناامیدی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ جو تھا ٹھنڈی سانسیں لے رہا تھا اور مایوسی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تک رہا تھا۔ ہر ایک کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

غرض ہر شخص کا دل غم سے لبریز اور درد سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے عزیزوں کی اس روح فرسا کیفیت کو محسوس کیا اور درد بھری آوازوں کو سنا مگر ہائے مجھ میں کچھ بھی طاقت نہیں تھی کہ میں ان کی دلجوئی کرتا اور ان کے آنسوؤں کو پوچھتا۔ ابھی میں ہر شخص سے اچھی طرح ملا بھی نہیں تھا کہ یک بیک بہت سے لوگ آئے اور میرا تابوت اٹھا کر لے چلے۔ اف! کتنی جلدی کی گئی، ہائے ابھی میں کس سے ملا تھا اور کس کو دیکھا تھا۔ لوگو! اتنی عجلت (جلدی) مت کرو۔ ارے آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم مجھ کو میرے گھر سے کیوں نکال رہے ہو؟ میں نہیں جانتا تھا کہ تم میرے ساتھ ایسی بیوفائیاں کرو گے اور مجھ کو میرے گھر میں گھڑی بھر بھی نہیں رہنے دو گے۔ ارے ابھی تو مجھے مرنا ہی نہ چاہیے تھا۔ ہائے میرے دل میں کیسے کیسے ارمان تھے اور کیسی کیسی امنگیں تھیں! امسال میں نے سوچ رکھا تھا کہ نیا مکان بنواؤں گا اور بنوانے کی تیاری کر چکا تھا۔ اسلم کا ختنہ اور معظم کی شادی کی تیاریاں کر چکا تھا۔ پندرہ ہزار روپے کی ایک جائداد خریدنے کے لیے روپیہ دے چکا تھا۔ ہائے کچھ نہ ہو سکا۔ افسوس موت نہایت بے وقت آئی اور سارے کے سارے ارمان خاک میں مل گئے۔ دوستو! ذرا ٹھہر جاؤ کہ میں اپنے عزیز و آشنا سے تو اچھی طرح مل لوں۔ ہائے پھر ان سے کب ملاقات ہوگی؟ میں ان کی صورتوں کو ترسوں گا اور وہ میرے لیے بے چین ہوں گے۔ مگر افسوس قیامت تک وہ نہ مجھ سے مل سکیں گے، اور

نہ میں ان سے۔ کاش تم تھوڑی دیر صبر کر جاتے تو میں اپنی سواری کے گھوڑے، رہنے کے مکان، آرام و آسائش کی چیزوں، روپے پیسے کے خزانوں کو جی بھر کے دیکھ لیتا۔ ابھی میں اسی تمنا میں تھا کہ لوگ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوئے میرے جنازہ کو باہر لے چلے۔ میں نے جلدی جلدی حسرت سے ساری چیزوں کو سرسری طور پر دیکھ لیا اور زبان حال سے یہ شعر

درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

پڑھتا ہوا باہر لایا گیا۔ ہائے اس وقت میرے گھر والوں پر کیا گذری، مجھ سے مت پوچھو۔ سب نے مل کر کچھ اس طرح فریاد کی کہ فرشتوں کے کلیجے ہل گئے ۔ عرش عظیم میرے یتیم بچوں کی بلبلاہٹ سے تھرّا اٹھا۔ مادر پدر اور فرزند و زن (ماں، باپ، بچے، بیوی) سب پچھاڑیں کھا کر دست حسرت ملتے ہوئے رہ گئے اور کسی کا کچھ بس نہ چل سکا کہ مجھے لے جانے والوں سے مانگ کر تھوڑی دیر کے لیے بھی ٹھہرا لیتے۔ مجھے باہر لاتے ہی باہر کے سب چھوٹے بڑے بوڑھے جوان اٹھ کھڑے ہوگئے اور یکے بعد دیگرے کاندھا دیتے ہوئے مسجد کے سایہ میں میرے جنازے کو رکھ کر میری شفاعت و مغفرت کی درخواست سب مسلمانوں نے ایک زبان ہو کر دربار غفور الرحیم میں یوں پیش کی:

”اللهم اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا و غائبنا وصغيرنا و كبيرنا وذكرنا و انثانا اللهم من احييته منا فاحيهٖ على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان .“

اے اللہ! ہمارے زندے اور مردے، چھوٹے بڑے، مرد عورت سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ہم میں سے جس کو زندہ رکھ اس کو اسلام پر ثابت قدم رکھ اور جس کو موت دے اس کو ایمان پر موت دے۔

اس کے بعد لوگ تیز تیز مجھے قبرستان لائے جو آبادی سے باہر دامن کوہ میں واقع تھا۔ میرا گھر (قبر) تیار تھا۔ فوراً لوگوں نے جنازہ پہنچتے ہی مجھے قبر کے اندر اتارنا شروع کردیا۔

ہائے کیسی مصیبت کی گھڑی اور یاس وحسرت کا عالم تھا! جب لوگ مجھے تنگ و تاریک گڈھے میں اتار رہے تھے۔ آہ! اب میں تنہا اس سنسان جنگل میں جہاں کا نام سنتے ہی مجھے ڈر معلوم ہوتا تھا، بے یارومددگار ہوں گا۔ ہائے کہاں گئے وہ لوگ جو میری محبت والفت کا دم بھرتے تھے، مجھ کو تنہا کہیں بھی نہیں جانے دیتے تھے۔ آہ! میرے ماں باپ کو کیا ہوگیا۔ کیا اب میں ان کا چہیتا بیٹا نہ رہا؟ یا اب ان کی وہ نظرِ عنایت مجھ پر نہ رہی جو میری زندگی میں تھی اور سب سے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میری بیوی جو زندگی کے ہر موڑ پر میرے دوش بدوش قدم بقدم چل رہی تھی، اس نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ میرے بال بچے جن کے آرام کے خاطر میں طرح طرح کے فریب کیا کرتا تھا، جھوٹ بولا کرتا تھا اور جس صورت سے بن پڑتا تھا اپنی جان پر دکھ تکلیف سہہ کر مصائب وآلام کو جھیل کے ان کی پرورش کیا کرتا تھا، وہ بھی میرے اس آڑے وقت میں کام نہ آئے۔ میرے دوست واحباب جو دن رات سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے اور میری الفت ومحبت کا گیت گایا کرتے تھے۔ وہ بھی منہ پھیر کر چل دیے۔ سچ ہے کوئی کسی کا ہوا ہے نہ ہوگا۔

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

ہائے میری وہ عمر بھر کی کمائی، اندوختہ مال، روپیہ پیسہ، زر زمین، لباس پوشاک کیا ہوگیا۔ کس نے لے لیا؟ افسوس کوئی چیز میرے کام نہ آئی اور نہ کسی نے جس پر دنیا میں مجھے بڑا بھروسہ تھا میرا ساتھ دیا۔ ساتھ دینا تو درکنار اور سلوک یہ کیا کہ سنسان اور خوفناک جنگل میں لاکر تنہا مجھے ایک گڈھے میں ڈال دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ

سیکڑوں من مٹی کا بوجھ بھی سینے پر دھر دیا تاکہ میں نہ کہیں جاسکوں اور نہ کسی طرف ہل سکوں۔ کاش میں پہلے ہی سے جانتا ہوتا کہ یہ سب کے سب جن کو میں اپنا دوست سمجھتا تھا، وہ میرے ساتھ یوں بیوفائی کریں گے اور بے مروتی سے پیش آئیں گے اور طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں گے تو میں ہرگز ہرگز بھول کر بھی ان لوگوں سے دل نہیں لگاتا اور نہ ان کی جھوٹی محبت پر فریفتہ ہوتا۔ مجھ کو قبر میں رکھ کر سیکڑوں من مٹی سے پاٹ کر مجھے زمین کے اندر چھپا کے لوگوں نے فاتحہ پڑھی اور چلتے بنے۔ آہ! قبر کی تاریک و تنگ کوٹھری میں کوئی بھی میرے کام نہیں آیا اور نہ کسی نے میرا ساتھ دیا۔ میں جدھر دیکھتا تھا بجز مٹی کے کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی تھی۔ تاریکی اتنی تھی کہ تاریکی ظلمات اس کے سامنے ہیچ تھی اور ہر طرف سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ دن کے وقت نہ تو سورج کی روشنی اور نہ رات کو چاند کی چاندنی اس کے اندر روشنی پیدا کر سکتی تھی۔ دن رات برابر معلوم ہوتے تھے۔ جب وہاں سے لوگ کچھ دور نکل گئے تو یک بیک کسی نے میرے جسم میں جان ڈال دی اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا مگر وہاں بجز تاریکی اور سناٹے کے کچھ نظر نہیں آیا۔

میں اٹھ کر اپنی حالت پر غور کرنے لگا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ میں کہاں آگیا ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ اور سب سے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میری زبان کیسے بدل گئی! میں تو اردو جانتا تھا۔ لیکن اب تو بالکل کایا پلٹ (الٹا معاملہ) ہے۔ اردو کا ایک لفظ بھی یاد نہیں رہا۔ بلکہ اس کے بدلے مجھے عربی آگئی جس سے میں بالکل ناواقف اور نابلد تھا۔ ابھی میں اسی حیرت واستعجاب میں تھا کہ مجھے کسی آنے والے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ اب تو میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی کہ اس بند مکان میں جہاں ہوا کا گذر مشکل، سانس کا آنا جانا محال، یہ کون آرہے ہیں اور کیوں اور کس طرح آرہے ہیں؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دو کالے کالے فرشتے جن کی آنکھیں سیاہ اور نیلی، دیگ کے برابر شعلہ زن، کئی گز کے

ہاتھ، بڑے بڑے دانتوں سے زمین کو چیرتے پھاڑتے آرہے تھے اور ان کی صورتیں نہایت ہی خوفناک اور ڈراونی تھیں۔ میں ان کی اس عجیب و غریب مہیب شکل کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹ رہا۔ وہ چنگھاڑیں مارتے اور ہیبت ناک آوازوں سے چلاتے ہوئے مجھ تک آگئے اور مجھے نہایت بیدردی سے جھنجوڑ اور جھڑک کر اٹھادیا اور کڑک کر کرخت آواز میں پوچھا کہ: من ربك۔ تیرا رب کون ہے؟

میں نے کہا: ربی الله۔ میرا رب اللہ ہے۔

پھر انھوں نے سوال کیا: وما دینك۔ تیرا دین کیا ہے؟

میں نے کہا: دینی الاسلام۔ میرا دین اسلام ہے۔

پھر انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا کہ:

ماکنت تقول فی هذا الرجل۔ ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

میں نے کہا: هو سیدنا و مولانا محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

وہ تو ہمارے آقا و مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

پھر سوال کیا: وما علمه. تجھے کس نے بتایا؟ میں نے کہا: قرأت کتاب الله وآمنت به و صدقت۔ اللہ کی کتاب کو میں نے پڑھا، اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔

اس سوال وجواب کے بعد منکر نکیر دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں تو معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا اور پھر چلتے ہوئے اس کے بعد آواز آئی کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھادو اور اس کو جنت کا لباس پہنادو۔ وافتحو له بابا من أبواب الجنة۔ اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔ اس آواز کے بعد فرشتوں نے ایک دروازہ دوزخ کا کھول دیا جس سے سخت گرمی اور تعفن آنے لگی اور لاکھوں آدمیوں کی آہ وزاری وبلبلاہٹ وگڑگڑاہٹ کی دردناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لیکن انھوں نے فوراً ہی اس کو بند کر دیا اور دوسری طرف سے جنت کا دروازہ کھول کر

میرے لیے ہر طرح کا سامانِ عیش وعشرت مہیا کردیا اور میری قبر خوب وسیع وکشادہ ہوگئی۔ اور اس میں ٹھنڈی ٹھنڈی خوش گوار ہوائیں آنے لگیں۔ اور عالم آخرت کی پہلی ہی منزل شہر خموشاں (قبرستان) میں قدرت نے میری دلچسپی کے لیے میرے اعمال صالحہ کو ایک خوبصورت عورت کی شکل بنا کر میرے پاس بھیج دیا جو میرے پہلو میں بیٹھ کر: رب اقم الساعة، رب اقم الساعة: کہنے لگی۔

یعنی اے میرے رب جلدی قیامت قائم کر، جلدی قیامت قائم کر۔

اس کے بعد وہ فرشتے یہ کہہ کر چلے گئے کہ اگر تو ان سوالوں کا جواب نہیں دیتا تو تیرے لیے وہ تھا جو تونے پہلے دیکھا یعنی دوزخ۔ لیکن چونکہ تو نے ہر سوال کا جواب ٹھیک دیا، اس لیے تیرے واسطے یہ ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں شہر خموشاں کے عجائبات کو دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس بہت سی نئی پرانی قبریں ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ان میں نہایت تیز آگ بھری ہوئی ہے۔ سانپ اور بچھّو بھرے ہوئے ہیں اور اس میں سے گدھے اور کتّے کے چلاّنے کی آوازیں آرہی تھیں اور بعضوں میں ہر طرح کے آرام و آسائش کی چیزیں موجود تھیں اور اس میں سے مشک عنبر اور عود کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ وہی دونوں فرشتے جو میرے پاس آئے تھے، ایک طرف کو جاتے دکھائی دیے۔ میں نے ان عجیب و غریب مہیب صورت فرشتوں کو دیکھ کر خیال کیا کہ دیکھیں یہ دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور دوسرے لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ قریب ہی ایک دریا میں جا پہنچے، وہاں ایک لاش بہتی جارہی تھی، اسے نہایت ہی بیدردی سے ڈانٹ ڈپٹ کر جھنجوڑ اور جھڑک کر بیدار کیا اور وہی سوالات کیے جو مجھ سے کیے تھے۔ لیکن خدا جانے وہ کس قوم سے تعلق رکھتا تھا کہ اس نے بجز ہاہا لاادری کے اور کچھ جواب نہیں دیا۔ یعنی ہائے افسوس میں تو کچھ نہیں جانتا۔ جس کی وجہ سے پہلے جنت کا دروازہ

کھول کر بند کر دیا گیا اور جہنم کا دروازہ کھول کے ایک اندھے اور بہرے فرشتے کو اس پر مسلط کر دیا گیا، جو لوہے کے گرز تول تول کر اس کے کانوں میں مارنے لگا۔

اس کے بعد وہ لوگ ایک اور طرف چلے اور ایک میدان میں آکر ٹھہرے جہاں آگ کا انبار لگا ہوا تھا، لکڑیاں سلگ رہی تھیں اور ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کے ہاتھوں منکر نکیر کے آنے کے قبل ہی عذاب آتش میں گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ دونوں اس کو اس حالت میں دیکھ کر اور بھی زیادہ چیختے چلاتے زمین کو چیرتے پھاڑتے اپنی دیگ کی طرح مگر انگارے جیسی آنکھوں سے شعلہ ہائے قہر و غضب برساتے ہوئے اس کے قریب آئے اور نہایت ہی کرخت آواز سے اسے جھڑک کر اٹھایا اور سوال و جواب شروع کیا۔ لیکن افسوس اس نے بھی بجز ھاھا لا ادری کے کچھ جواب نہیں دیا۔ یعنی ہائے ہائے میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔

چنانچہ اس کے واسطے حکم ہوا کہ اس نافرمان و بے ایمان بندے کو جہنم کا کپڑا پہنا دو اور آتش دوزخ کا فرش بچھا دو۔ وافتحوا باباً من ابواب النار۔ اور اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔ اس کے بعد زمین نے اس کو اس طور پر دبوچا کہ آپس میں دونوں پسلیاں مل کر چور چور ہو گئیں اور جہنم کا دروازہ کھول دیا گیا۔ جہنم کے کھلتے ہی اس کے گڑھے میں گرم ہوا کے جھونکے اور بادِ سموم کی لپٹ کے ساتھ ساتھ شعلہ ہائے آتشیں (آگ کے شعلے) اور بھی بھڑک اٹھے اور اس کے اعمال قبیحہ و افعال ذمیمہ (بُرے کام، بُرا عمل) ایک نہایت ہی خوفناک اور بد شکل و مہیب صورت میں آکر اس کے پہلو میں بیٹھ کے: رب لا تقم الساعۃ رب لا تقم الساعۃ: پروردگار قیامت قائم نہ کر، قیامت قائم نہ کر کی صدائیں لگانے لگا۔

آخرت کی دوسری منزل

بیابانِ برزخ

آخرت کی پہلی منزل شہر خموشاں کے بعد رہروانِ ملک عدم وسیّاحانِ آخرت کو ایک لق ودق بیابان اور خطرناک میدان ملتا ہے کہ دوری ودرازی اس کی سوائے خداوند عالم الغیب کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔ یہی وہ میدان ہے کہ جس کے قطع کرلینے کے بعد انسان عالم آخرت کی سرحد میں گامزن ہوجاتا ہے۔ یہ میدان اتنا دور دراز ہے کہ بجز قیامت کے دن کے اس کی مسافت ختم ہی نہیں ہوسکتی۔ اس ہولناک وخطرناک میدان میں بہت سی عجائب روزگار چیزیں نظر آتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر عقل چرخ کھانے لگتی ہے اور مارے دہشت کے براحال ہوجاتا ہے۔ یہ توانہیں لوگوں کا دل وجگر ہے جو کہ جان دے کراس دہشت ناک اور پر خطر وادی میں اتر پڑے ہیں اور اس کو طے کررہے ہیں۔ ورنہ جان کی پرواہ کرنے والے تو ہرگز اس دشوار گذار میدان کو عبور کرہی نہیں سکتے۔ اس میدان کا نام عدم کے رہنے والوں نے " بیابانِ برزخ " رکھا ہے۔ اور یہ میدان قیامت میں پہنچنے کے لیے ویسا ہی ہے جیسے دنیا میں آنے کے لیے ماں کا پیٹ۔ شہر خموشاں میں کچھ ہی دیر ٹھہرنے کے بعد میں نے بھی بادیہ پیمائی شروع کی۔ اور بیابان برزخ کی سیر کرتا ہوا قطع مراحل میں مشغول ہوگیا۔ یہاں دنیا سے گذرنے والے ہر چھوٹے بڑے نبی، ولی ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی، چین، پارسی موجود تھے اور ہر ایک منازل ومراحل کے قطع کرنے میں مشغول ومنہمک نظر آئے۔ میں جس طرف نظر اٹھاتا تھا تاحد نظر انسانوں جِنّاتوں اور حیوانوں کی فوج نظر آتی تھی۔ غرض ابتدائے آفرینش سے اب تک جتنے مرنے والے تھے سب کے سب اس وادی میں موجود تھے۔

سیاحانِ آخرت میں جہاں تک میں نے خیال کیا صرف دو قسم کے لوگ نظر آئے ایک تو وہ تھے جو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا تھے۔ اور دوسرے آرام واطمینان کے ساتھ جا رہے تھے۔ لیکن ہر دو گروہوں میں تکلیف و آرام عقائد و اعمال اور افعال کے لحاظ سے بیش و کم تھا۔ جس سے دونوں فریق مختلف حصوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ فریق اول میں ایک گروہ تو وہ تھا جو دن رات سخت عذاب میں مبتلا رہتا تھا۔ اور ہر آن ان پر سختی ہوتی جاتی تھی۔ یہ وہ گروہ ہے جو کفار و مشرکین کے نام سے موسوم ہے۔ ان کافروں میں سے بعض تو ایسے تھے جو مرنے کے بعد دنیا ہی سے آگ میں جلنے لگے تھے۔ اور یوماً فیوماً (دن بدن) ان کے عذاب میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ اور بعض وہ تھے جو دنیا کی آگ میں تو نہیں جلے مگر ہاں مرتے ہی ان پر عذاب جہنم شروع ہو گیا تھا۔ یہ مشرکین، یہود و نصاریٰ و دیگر مختلف گمراہ فرقے تھے۔ ان میں سے بعض بعض فرقوں کی حالت گنجائش دیکھ کر موقع سے بیان کروں گا۔ فی الحال چند واقعات کو جو ضروری اور نہایت اہم ہیں پیش کرتا ہوں۔ معذّبین (عذاب پانے والے) میں بعض بعض مسلمانوں کو بھی میں نے دیکھا جو نہایت دردناک عذاب میں مبتلا تھے۔

چنانچہ سب سے پہلے میری نظر جس گروہ پر پڑی وہ تارک الصلوۃ یعنی نماز چھوڑنے والا گروہ تھا۔ یہ گروہ چند طرح کے عذاب میں گرفتار تھا۔ اوّلاً تو یہ کہ اس کی دونوں پسلیاں قبر کے دباؤ کی وجہ سے چور چور ہو کر آپس میں گھُ گئی تھیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے چاروں طرف نیچے اوپر دائیں بائیں آگ روشن تھی۔ اور وہ دن رات اس میں جلا کرتا تھا۔ اور اس پر ایک فرشتہ نہایت خوفناک و مہیب اپنے ہاتھ میں لوہے کا گرز لیے ہوئے اس زور سے مارتا تھا کہ وہ گرز ستر گز زمین کے اندر دھنس جاتا تھا۔ اور وہ اسے پھر اپنے چنگل سے نکال کر اتنے زور سے مارتا تھا کہ بجلی کی کڑک کے مانند اس سے آواز پیدا ہوتی تھی۔ اور وہ بے نمازی سے کہتا جاتا تھا کہ تو نے کیوں نماز کو ضائع

کیا؟ یہ اسی کا بدلہ ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔ یہ تیرے کرتوتوں کا پھل اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہے ۔ قیامت تک یہ عذاب تجھ پر ہوتا رہے گا۔ پھر بعد قیامت مشیّتِ ایزدی جو ہوگی اسے تو دیکھ لے گا۔ غرض اس پر اس ترتیب سے عذاب ہوتا تھا کہ فجر کی نماز چھوڑنے کے بدلے ظہر تک اور ظہر کے بدلے عصر تک اور عصر کے بدلے مغرب تک اور مغرب کے عوض عشا تک اور ترکِ عشا کی سزا فجر تک ہوتی تھی۔ یعنی چوبیسوں گھنٹے عذاب ہوا کرتا تھا۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو ماں باپ کو تکلیف اور ایذا دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ان پر عذاب یہ تھا کہ فرشتے ان کی مُشکیں (دونوں بازو) باندھ کے زبان کو تالو کی طرف سے نکال کر آگ کی قینچیوں سے کاٹتے تھے ۔ اور وہ گدھوں کی طرح چیخ مار مار کر روتے اور چلاتے تھے لیکن فرشتے ان کے چیخنے چلانے کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کم بخت تو نے اسی ہاتھ اور زبان سے ماں باپ کو تکلیف ، ایذا اور گالیاں دی تھیں۔ حالانکہ تو جانتا تھا کہ ماں نے تجھے کس تکلیف سے نو مہینے اپنے پیٹ میں رکھا تھا اور باپ نے تجھ کو کن کن مصیبتوں سے کما کما کر کھلایا تھا۔ کیا اس کا بدلہ یہی تھا جو تو نے ان کے ساتھ کیا۔ کیا تو نے فلا تقل لھما اف وّ لا تنھر ھما (یعنی ماں باپ کو اف بھی مت کہو اور نہ ان دونوں کو جھڑکو) کو نہیں پڑھا تھا۔ یا اگر نہیں پڑھا تھا تو کسی سے سنا بھی نہیں تھا کہ ماں باپ کا کیا مرتبہ اور کتنی عزت ہے۔

اس کے بعد ایک عجیب و غریب گروہ دکھائی دیا کہ اس پر چاروں طرف سے کتّے اور سُور حملے کر رہے تھے لیکن ان پر کچھ ایسی بے حسی چھائی ہوئی تھی کہ مناسب تدبیر تو درکنار ملتے تک نہیں تھے ۔ بلکہ اور بھی خوشامد سے کبھی کتّوں کی طرف جھک پڑتے تھے اور کبھی سُوروں کی جانب متوجہ ہو جاتے تھے لیکن دونوں سے بے اطمینانی اور ناامیدی رہتی تھی۔ میں نے بہت فکر کیا کہ یہ کون گروہ ہے اور اس پر یہ عذاب کیوں مسلط ہے؟ کتابوں میں بھی

کہیں ان کا صراحتہً ذکر نہیں ہے۔ آخر ہیں یہ کون لوگ اور ان پر بے حسی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ دوسری طرف سے بچ کر نکل سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اچھے نورانی شکل کے لوگ انہیں ان حملوں سے بچنے کی تدبیریں بتارہے ہیں اور راستہ بھی دکھارہے ہیں۔ لیکن ان کی آنکھوں پر پٹّیاں بندھی ہوئی تھیں اور دلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے کہ وہ لوگ نہ توان کی آوازوں کو سنتے تھے اور نہ سمجھتے ہی تھے۔ میں حیرت واستعجاب کے عالم میں کھڑا تھا اور ان کی ناگفتہ بہ حالتوں سے متاثر ہورہا تھا کہ ایک فرشتے نے کہا۔ تعجب کی بات نہیں ہے! ان لوگوں نے عمل ہی ایسا کیا ہے جس کی بدولت ان پر یہ عذاب مسلّط ہے۔ میں نے پوچھا آخر یہ لوگ ہیں کون ؟ اور ان کا عمل کیا تھا؟ فرشتے نے کہا: یہ لوگ وہ مسلمان ہیں جن کے مذہب وملت کی بے حرمتی مختلف قومیں کررہی تھیں اور اسلام و پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے ذات اقدس پر حملہ کرتی اور خود ان کی ہی بیخ کنی پر تلی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ لوگ کچھ نہیں بولتے اور نہ ہی اپنے بچاؤ کی کوئی مناسب تدبیر کرتے تھے۔ بلکہ اور بھی بے حیائی کے ساتھ اپنی ضعف اور کمزوری کا عذر کرتے ہوئے کبھی توان کتّوں کے ساتھ جو کفار و مشرکین کے نام سے موسوم تھے مل جاتے تھے اور کبھی یہود و نصاریٰ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے تھے یہاں تک کہ یہ اسی حالت میں مر گئے۔ دیکھو قرآن مجید میں ان کا ذکر موجود ہے:

”ان الذین توفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوافیم کنتم قالو اکنا مستضعفین فی الارض قالواالم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا اولٰئک ماوٰھم جھنم وساء ت مصیرا.“

(وہ لوگ جن کی جان فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے۔ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور بہت بری جگہ پلٹنے کی)

اور یہ نورانی شکل کے لوگ جنہیں آپ دیکھ رہے ہیں وہ رہبران قوم اور علمائے کرام ہیں جو انہیں ان حملوں سے بچنے کی تدبیر بتاتے تھے اور آج بھی بتا رہے ہیں لیکن ان کے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی تھیں، بلکہ ان کی صدائے حق سے ان کے دلوں میں اور بھی دہشت پیدا ہوتی تھی اور یہ انھیں نفرت و حقارت سے دیکھتے تھے۔

اس کے بعد ایک اور گروہ نظر آیا کہ خدا نے انھیں اپنے فضل و کرم سے اچھی صورتیں بخشی تھیں اور مرد پیدا کیا تھا لیکن انہیں یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنے کو مخنّث (ہجڑا) بنانا چاہتے تھے۔ اور یہ مخنّث نما مرد دنیا میں طرح طرح کے کاٹ چھانٹ میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ فرشتے ان کی داڑھی مونچھوں کو آگ کے استروں سے مونڈ رہے تھے اور آگ کے کپڑے پہنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ لے یہ تیری نیت کا پھل ہے۔ جیسا تو چاہتا تھا اور جیسا تیرا ارادہ تھا اسی کے مطابق تجھے یہاں بدلہ مل رہا ہے۔ اور بیوقوف خدا نے تو تجھے مرد بنایا تھا، ڈاڑھی سے تجھے زیب و زینت بخشی تھی اور اس کو تیری مردانگی اور جواں مردی کا مظہر بنایا تھا۔ لیکن تو نے اس کو نہ صرف اپنے واسطے بدصورتی کا باعث قرار دیا بلکہ دوسروں کو بھی اس اسلامی شعار کے اڑا دینے کی ترغیب دیتا اور ڈاڑھی رکھنے والے مسلمانوں پر پھبتیاں کستا اور اس کو ذلت کا سائین بورڈ سمجھتا تھا۔ حالانکہ اس کو خدا نے تیری ہی زینت کے واسطے پیدا کیا تھا، کاش تو اس کو سمجھتا۔ اور اگر مرد کی علامت نہیں تو کم از کم سنت رسول سمجھ کر تو رکھتا۔ لیکن افسوس! تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔

اس سے بڑھ کے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب بھی اسی بلا میں گرفتار نظر آئے۔ اس کے علاوہ اور یہ کہ وہ اپنے چہرہ کو اپنے ناخن سے نوچ کھسوٹ رہے تھے اور فرشتے ان کے سر پر دوزخیوں کے جوتے مار رہے تھے۔ اگرچہ ان کے ساتھ اور لوگ بھی مبتلائے عذاب تھے۔ لیکن سب سے زیادہ انہیں کی حجامت کا خیال کیا جاتا تھا۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ بھئی ماجرا کیا ہے؟ آخر بیچارے مولوی صاحب نے کون

ساقصور کیا ہے جس کے بدلے انہیں یہ سزا ملی ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہ نئی روشنی کے مغرب زدہ مولوی ہیں انہیں داڑھی سے چڑھ اور پگڑی سے نفرت تھی۔ چنانچہ یہ اسے مکّاروں کی علامت اور جھوٹوں کا شعار سمجھتا تھا اور برابر علمائے کرام وصوفیائے عظام کے خلاف کہا کرتا تھا اور بلاوجہ انہیں ذلیل سمجھتا اور رسوا کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ یہ اسی کا بدلہ ہے جسے وہ کرتے تھے۔ ذالك جزاؤهم بما كانو يفعلون.

پھر ایک شخص ملا جس کی وضع قطع سب کچھ مسلمانوں کی سی تھی بلکہ وہ مسلمان ہی تھا۔ لیکن اس کو علماء سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ جب کسی عالم کو وہ دیکھ لیتا تھا تو بھاگ کر اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا:

ہم تو دوزخ کی طرف جاتے ہیں اے مولویو!
کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان رہے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کو عالموں سے بغض تھا اور یہ بلاوجہ ان کے پیچھے پڑا رہتا تھا اور برابر علم دین پڑھنے والوں پر حقارت آمیز لہجہ میں کہا کرتا تھا۔

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو!
کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان رہے۔

چنانچہ یہ عذاب اسی عجب و تکبر کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد عورتوں کے ایک طبقہ پر نظر جا پڑی کہ ان کی آنکھوں میں دوزخ کی گرم گرم سلائیاں پھیری جا رہی تھیں، ان کے سر اور سینہ میں سانپ لپٹے ہوئے ڈس رہے تھے اور آگ کی لپک ان کے جسموں کو چھپائے ہوئی تھی اور نہایت دردناک عذاب ہو رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ فیشن ایبل بے پردہ عورتیں ہیں جو علانیہ بلا ضرورت بے پردہ گھوما کرتی تھیں اور پردہ کو قید و بند تصور کر کے پردہ والیوں پر ہنسا کرتی تھیں۔ جنہیں غیر مردوں کے سامنے ہونے میں ذرا حجاب نہیں ہوتا تھا اور شرم وحیا ان کی

آنکھوں سے رخصت ہو چکی تھی۔

اس کے بعد ایک گروہ اور بھی عورتوں کا نظر آیا کہ ان کی زبانوں میں سانپ بچھو لپٹے ہوئے تھے۔ جہنم کی آگ انہیں گھیرے ہوئی تھی۔ اور فرشتے عذاب کے اس کے سر کو کچل رہے تھے اور کہہ رہے تھے: او نالائق عورت! تو دنیا میں اپنے خاوند کو اسی زبان سے ستاتی تھی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچایا کرتی تھی۔ او بے حیا! تجھے معلوم نہیں تھا کہ شوہر کا کیا مرتبہ ہے اور وہ کن کن تدبیروں سے کما کما کر تجھے کھلاتا تھا اور تیرے واسطے کیا کیا نہیں کرتا تھا۔ لیکن تو برابر اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور بجائے اس کی تعظیم و تکریم کے اسے گالیاں دیا کرتی اور اس کی تحقیر و تذلیل کیا کرتی تھی۔ یہ اسی بدزبانی کا نتیجہ ہے جسے تو نے دنیا میں کیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں مبتلائے عذاب نظر آئیں اور مرد بھی کہ ان میں سے اگر ہر ایک کا ذکر علاحدہ علاحدہ کیا جائے تو جگہ چاہیے۔ البتہ بعض بعض کا ذکر میدان قیامت میں پہنچ کر لکھ دیا جائے گا اور بعضوں کے حالات کو جہنم کے سیر کے وقت بیان کروں گا۔ فی الحال نیکوں کے حالات پیش کرتا ہوں۔

لیکن قبل اس کے ایک عجیب و غریب واقعہ بھی سن لیجیے:

میں بدستور سابق چاروں طرف تماشہ ہی دیکھ رہا تھا اور واقعات کا روحانی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا کہ ناگاہ (اچانک) ایک روشنی نمودار ہوئی اور نور کے طباق میں عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کے سامنے آنا شروع ہوئے اور اس سلسلہ میں مجھے بھی ایک طبق ملا جس کو ہم سب اگلے پچھلے لوگوں نے مل کر خوب کھایا۔ لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس نہ کھانا پہنچا نہ نور۔ وہ اندھے محتاج کی طرح ایک گوشے میں پڑے ہوئے حسرت سے سب کا منہ تکتے رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کی زبانیں نکال نکال کر زبانیں فرشتے کاٹ رہے تھے۔ اور آگ کی لگام پہنا پہنا کر آگ پر

لٹارہے تھے۔ میں نے دنیاوی عادت کی بنا پر ان لوگوں کو بھی بلایا کہ آؤ شریک ہو جاؤ لیکن فرشتوں نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ اس میں ان لوگوں کا حصہ نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کے اعزہ واقارب انہیں بھول گئے اور ان کے نام خیرات وصدقات اور فاتحہ نیاز کرنا چھوڑ دیا اور نہ انھوں نے خود اپنی زندگی میں اپنے واسطے کچھ کیا تھا۔ اور وہ لوگ جن کی زبانیں کاٹی جارہی ہیں اور آگ کی لگام پہنا کر آگ پر لٹایا جارہا ہے، ان کے ہاں تو فاتحہ نیاز اور ثواب رسانی نعوذ باللہ شرک اور بدعت تھی اور یہ چیزیں فاتحہ اور نیاز کی ہیں۔ پھر بھلا یہ اپنی حرام کردہ اشیا کو کس طرح کھالیں۔

اس کے علاوہ یہ لوگ دربار رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں گستاخیاں بھی کیا کرتے تھے اور خدا و رسولوں کی شان میں بہت ہی گھٹیا اور نازیبا الفاظ بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ اگرچہ بظاہر نہایت ہی اتباعِ شریعت اور پیرویِ سنتِ رسول کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ لیکن در حقیقت ان کا دل ان کی زبان کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اسی منافقانہ روش اور گستاخی کی بدولت ان پر یہ عذاب مسلّط ہے اور ہمیشہ یہ اسی طرح عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور ان کے اعمال و افعال اور ان کا زہد و تقویٰ انہیں کچھ کام نہیں دے گا۔ اس لیے کہ ان کے عقائد خراب اور ان کے اقوال گستاخانہ تھے۔

اولٰئك الذين هبط الله اعمالهم فلا ينفع ايمانهم ولا صلوٰتهم لانهم مرقوا من الدين كما يمرق السهم من الرميّة ولهم عذاب اليم.

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے عملوں کو اللہ نے اکارت کر دیا۔ پس ان کو ان کا ایمان اور ان کی نماز کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ اس لیے کہ یہ دین سے اسی طرح نکل گئے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرشتوں کے اس بیان اور کھاپی لینے کے بعد جو میں نے داہنی طرف نگاہ کیا تو عجیب عالم دکھائی دیا، اچھے اچھے خوبصورت لوگ نظر آئے کہ ان کو نہ تو چلنے پھرنے کی

ضرورت تھی اور نہ کہیں آنے جانے سے کام تھا، چپ چاپ آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ ہر طرف سے نور انہیں گھیرے ہوئے تھا، چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں آرہی تھیں۔ جنتی پھولوں کے خوشنما دستے جابجا رکھے ہوئے تھے اور جنت کا ایسا عمدہ عمدہ لباس ان کے زیب تن تھا کہ اس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہورہی تھیں اور خوشبو سے دماغ معطر ہورہا تھا اور ان کے پہلو میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ بیٹھی ہوئی ہنس ہنس کے ان سے ہم کلام ہورہی تھی اور بڑے پیار و محبت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دنیا میں بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔ ان کا ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی فرماں برداری اور نیکو کاری کا نتیجہ ہے کہ آرام سے لیٹے ہوئے بیابان برزخ کو طے کررہے ہیں۔ اور یہ صورت ان کے اعمال صالحہ کی ہے جو ان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی پیار کررہی ہے۔

اس کے بعد اور بھی کچھ لوگ نظر آئے کہ ان کی پیشانیاں چاند کی طرح چمک رہی تھیں اور ان کے منہ سے مشک و زعفران کی خوشبوئیں اڑرہی تھیں۔ اچھے اچھے لباس کہ دنیا والوں کی آنکھ نے خواب میں بھی نہیں دیکھا ان کے زیب تن تھے۔ نورانی عمامہ ان کے مبارک سروں پر بندھا ہوا تھا۔ سبز سبز عصا ان کے پاکیزہ ہاتھوں کی زینت بڑھائے ہوئے تھے۔ جابجا پھولوں کے گچھّے پڑے ہوئے تھے۔ تاحد نظر ہر چہار طرف سبزے اگے ہوئے تھے۔ بھینی بھینی خوشبوئیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ اڑاڑ کر مشام جان کو معطر کررہی تھیں۔ اور ہر جانب ان کے نور کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ سبز حریر کا شامیانہ کھینچا ہوا تھا اور لمحہ لمحہ ان کے درجے بلند ہوتے جارہے تھے، نور بڑھتا جارہا تھا اور دن بدن ان کے عیش و آرام کا خیال زیادہ کیا جارہا تھا۔ نیز ان کے پہلو میں ایک حسین و مہ جبین دوشیزہ موتیوں کا خوش نما ہار پہنے ہوئے بیٹھی تھی اور ان سے مسکرا مسکرا کر اس نازو ادا سے باتیں کررہی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا سو جان سے عاشق و فریفتہ ہے اور وہ بھی نہایت

پیار و محبت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ بعض فرط محبت سے بے تاب ہو کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیتے تھے۔ لیکن ان کی گردن پر ہاتھ لے جاتے ہی وہ ہار ٹوٹ جاتا تھا اور موتی چاروں طرف بکھر جاتے تھے۔ جس سے انہیں ملال سا ہوتا تھا مگر وہ خوبصورت دوشیزہ انہیں ملول دیکھ کر نہایت ہی پیار سے کہتی تھی کہ آپ اس کے ٹوٹنے کا غم نہ کریں۔ آیئے ہم آپ دونوں مل کر ان موتیوں کو چن ڈالیں۔

چنانچہ دونوں موتیوں کے چننے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ میں ان لوگوں کی محبت آمیز گفتگو اور بلندی درجات کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس عمل کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچے ہیں؟ اسی دوران ایک نورانی فرشتہ نے کہا: یہ مقدس گروہ ان عالمانِ باعمل کا ہے جن کے فیوض و برکات کا سرچشمہ عالم میں جاری و ساری ہے، جس کی وجہ سے دین حق کی آبیاری ہو رہی ہے۔ یہی وہ علمائے کرام ہیں جو صحیح معنوں میں "العلماء ورثة الانبیا". (علماء انبیائے کرام کے وارث وجانشیں ہیں) کے مخاطب ہیں۔ ادھر دنیا میں ان کی وجہ سے تشنگانِ علم سیراب ہو کر کفر و شرک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک رہے ہیں اور شمع صفت عالمِ جہالت میں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ ادھر ان کے نور میں دن بدن زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔ وکذالك یزید هم الله نورا علیٰ نور الی یوم القیٰمة. اور اسی طرح یوماً فیوماً (دن بدن) قیامت تک ان کے نور میں زیادتی ہوتی جائے گی اور یہ ان کے نیک عملوں کی صورت ہے جو ان کے پہلوؤں میں بیٹھی ان سے محبت اور پیار کر رہی ہے۔ اور جن کے ساتھ یہ موتیاں چن رہے ہیں ابھی یہ موتی بھی نہیں چن پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اور برزخ کی مسافت آن کی آن میں طے ہو جائے گی۔ اولٰئك الذین انعم الله علیهم و هداهم الی سبیله.

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا اور جنہیں اپنے راستے کی ہدایت کی۔ پھر بعد ازیں مجھے اور لوگ اس قسم کے نظر آئے کہ ان کے چاروں طرف نور

کا پھول برس رہا تھا، اور اچھے اچھے فرش بچھے ہوئے تھے۔ جابجا نور کے قمقمے لٹکے ہوئے تھے۔ روشنی پھیلی ہوئی تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں ان کے نورانی چہروں کی بلائیں لے رہی تھیں۔ اور وہ نہایت آرام و اطمینان سے لیٹے ہوئے تھے۔ اور فرشتے انہیں لوریاں دے دے کر پیار سے سلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

نم كنومة العروس لا يستيقظها إلا أحب أهلها.

ترجمہ: اے خدا کے نیک بندے تو یہاں اس طرح سو رہو جیسے نئی دلہن سوتی ہے کہ اس کو سوائے اس کے محبوب ترین اہل کے کوئی نہیں جگاتا ہے۔

چنانچہ وہ نہایت آرام و اطمینان سے سو رہے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بڑے پایہ اور مرتبہ کے لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ جان و مال سے اللہ کے دین کی حمایت فرمایا کرتے تھے اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ہر طرح علماء وصلحا کی خدمت کیا کرتے تھے اور اپنی پاک کمائیوں سے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرتے رہتے تھے۔ اور دن رات اللہ کی اطاعت و بندگی میں لگے رہتے تھے۔

اس کے بعد ایک عورت نظر آئی کہ اس کے پاکیزہ چہرے سے روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے واسطے پھولوں کا بستر لگا ہوا تھا، مشک و زعفران کی خوشبو اس کی چاروں طرف اڑ رہی تھی۔ اور وہ نہایت آرام کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی اور اردگرد اس کے نہایت ہی خوب صورت خوب صورت عورتیں بیٹھی ہوئی اس کی خدمت کر رہی تھیں۔ ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ عفیفہ (متقی و پرہیزگار) اور پاک باز صابرہ و شاکرہ عورت ہے کہ شوہر اس پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیا کرتا اور تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔ لیکن یہ خدا کی بندی بھلے باپ کی بیٹی، شریف ماں کی جائی اس کے ظلم و ستم کو لطف و کرم سمجھ کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتی رہی، تیوریوں پر بل تک نہیں آنے دیا اور نہایت پیار و محبت کے ساتھ اپنے خاوند کی اطاعت و فرماں برداری کرتی رہی۔ خدا کی عبادت

وبندگی میں لپٹی رہی اور دنیا کے دکھ کو سکھ اور رنج کو راحت سمجھ کر گذار دیا جس کی وجہ سے آج بے فکری اور آرام کے ساتھ سوئی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مختلف اقسام کے مرد و عورت نظر آئے جو اپنے اپنے اعمال وافعال کے لحاظ سے آرام و تکلیف میں مبتلا تھے۔ تاہم زیادہ تر تعداد میں عورتیں ہی مبتلائے عذاب تھیں۔ اس لیے کہ وہ ناقصات العقل (کم عقل والی) ہونے کے علاوہ زیادہ تر جہالت میں مبتلا تھیں، جس سے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کیا کرتی تھیں پھر بھی جو عورتیں عفیفہ اور پرہیز گار تھیں جن کا دامن عصمت ہر قسم کے داغ دھبوں سے پاک تھا بالخصوص وہ جو اپنی زبان، نگاہ اور شرم گاہ کی علیٰ وجہ الاتم (مکمل طریقے پر) نہایت سختی کے ساتھ حفاظت کرتی تھیں۔ یعنی زبان سے بری بات نہیں نکالتی تھیں، نہ آنکھوں سے غیر مردوں کو دیکھتی تھیں اور زنا وغیرہ بے حیائی کے شرمناک افعال سے پرہیز کرتی تھیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ رب العزت کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھیں۔ ان کا چہرہ چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا۔ اور وہ ایسے بڑے بڑے مرتبے پر فائز تھیں کہ بہت سے مرد بھی اس مرتبے پر نہیں تھے۔

غرض کہاں تک بیان کروں؟ سیکڑوں اور ہزاروں قسم کے لوگ مرد عورت اچھے برے نظر آئے جن میں سے بعض بعض کا بیان سیر دوزخ اور داخلۂ جنت کے موقع پر مختصر اً کر دیا جائے گا۔

اب دو ایک واقعہ اس قسم کے لوگوں کا لکھا جاتا ہے جن پر عذاب کا حکم ہو چکا تھا۔ لیکن بعض بعض عملوں کی بدولت جسے انہوں نے کبھی کبھار خلوص سے کر لیا تھا یا محض خداوند قدوس کی رحمت کاملہ کی بدولت نجات ہو جاتی تھی۔

چنانچہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ آگ اس کے چاروں طرف بھڑک رہی ہے۔ اور جلانا چاہتی ہے کہ یک بیک اس کے وضو نے جو اس نے نماز ادا کرنے کے لیے کیا تھا، آکر بجھا دیا۔

پھر ایک آدمی نظر آیا جس کا چہرہ بد اعمالیوں کی وجہ سے مسخ ہوگیا تھا لیکن درود شریف نے جسے اس نے صرف ایک مرتبہ خلوص اور محبت سے پڑھا تھا، اس کے چہرہ کو روشن اور اجالا کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے گنہگار لوگ نظر آئے جو محض اللہ کی رحمت کاملہ کی وجہ سے بچے ہوئے تھے۔ اور ان پر کسی قسم کا عذاب نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ نیک مسلمان جو جمعہ کے دن یا رمضان شریف میں مرے تھے۔ ان پر نہ توکسی قسم کا عذاب ہوتا تھا۔ اور نہ ہی سوال و جواب کا بار ان پر پڑتا تھا۔ اور علماء و شہداء و حفاظ اور وہ اجسام (افراد) جو اللہ کی معصیت و نافرمانی سے محفوظ رہے اور اپنے علم کے مطابق عمل کیے، ان کو نہ صرف یہ کہ روحانی آرام تھا بلکہ ان کے جسموں کو زمین ذرا بھی نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔ اور وہ جسدِ عنصری کے ساتھ اسی طرح آرام فرماتے تھے، جس طرح زندگی میں۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنہیں اپنی عبادت و ریاضت پر ناز تھا۔ لیکن شامت عجب و تکبر سے مبتلائے عذاب تھے۔ مختصر یہ کہ میں ابھی طرح طرح کے عجیب و غریب واقعات کو دیکھ ہی رہا تھا اور عالم برزخ کی سیر محض تھوڑی ہی دیر تک کرنے پایا تھا کہ یک بیک ایک آواز دہشت ناک گونجتی ہوئی برزخ والوں کے کانوں میں پہنچی جس سے تمام ایک میں کھلبلی سی پڑ گئی اور برزخ میں ہلچل مچ گئی۔ ہر چھوٹے بڑے کا مارے خوف کے برا حال ہوگیا۔ سونے والے گھبرا گھبرا کر اٹھ بیٹھے، بچوں کے بال سفید ہوگئے۔ بوڑھوں کا رنگ بدل گیا۔ کافروں اور گنہگاروں کو کون پوچھتا ہے، ان کا حال تو پہلے ہی سے ابتر تھا۔ ان پر ایک تو یوں ہی ایک ایک سکنڈ ہزار ہزار برس کا گذرتا تھا۔ اب تو اور بھی اٹھنا دوبھر ہوگیا۔ بڑے بڑے نیکو کاروں اور پرہیز گاروں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دل دہلنے لگا، خدا جانے اس آواز میں کونسی تاثیر تھی کہ خفتگان خاک اور رہروان ملک عدم کے دلوں کو بے چین کر گئی اور سب کے سب اپنے اپنے اعمال و افعال، نیکی و بدی کی گٹھری کو جو دنیا سے کما کما کر ساتھ لائے تھے سنبھال سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوگئے۔

آخرت کی تیسری منزل

میدان قیامت

اللہ، اللہ! کیا صاف شفاف میدان ہے نہ کہیں اونچا ہے نہ نیچا، نہ درخت ہے نہ پہاڑ، نہ جنگل نہ جھاڑ، نہ دریا نہ سمندر نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد۔ سنسان و ویران پڑا ہوا ہے اول اول صور پھونکتے ہی ساری چیزیں فنا ہوگئی تھیں۔ ستارے ٹوٹ پڑے تھے۔ سورج بے نور ہوگیا تھا۔ چاند کی روشنی غائب تھی۔ پہاڑ اڑ گئے تھے۔ دریا میں روانی تھی نہ سمندر میں پانی، آسمان ٹوٹا ہوا پڑا تھا تو زمین بدلی ہوئی تھی۔ ہوا چلتی تھی نہ پتا کھڑکتا تھا۔ زمین پر کوئی جاندار دم مارتا تھا، نہ آسمان پر فرشتے۔ غرض ساری مخلوق پر بے ہوشی طاری تھی اور سب کے سب موت کی نیند سو رہے تھے۔ یہاں تک کہ موت بھی معطل اور بیکار پڑی ہوئی تھی اور ہو کا عالم تھا۔ اس وقت سوائے اس پاک پروردگار حیّ وقیّوم کے کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے اسی سنسان اور چٹیل میدان میں اپنا جلوہ ظاہر کیا اور بے نقاب ہو کر یوں آواز دی: این الجبّارون المتکبّرون لمن الملك اليوم.

ہاں وہ مالک و خالق جس نے ازل میں الست کی آواز سنائی تھی، جو طور پر موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔ عرش پر اپنے محبوب سے بولا تھا۔ وہی نئی شان سے آیا، نرالے انداز سے بولا اس کی آواز فضا میں گونجی اور پھیلی مگر مالک کے سامنے مملوک، خالق کے سامنے مخلوق، علت کے سامنے معلول، وہ بھی میدان لاہوت میں۔ وہاں جہاں ذات اور وجود سب ایک، بھلا کس کی مجال تھی جو دم مارتا۔ کس کی طاقت تھی کہ جواب دیتا۔ بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر صفی اللہ، نجی اللہ، خلیل اللہ، ذبیح اللہ، کلیم اللہ علیہم الصلوۃ والسلام سب کے سب خاموش تھے۔ وہی ایک اکیلا تھا اور کوئی نہیں، اسی نے کہا

اسی نے سنا پھر اسی نے جواب دیا: للہ الواحد القھار. یعنی آج کے دن خدائے واحد کی بادشاہت ہے۔

قربان جاؤں کیا ندا تھی۔ کیا صدا تھی۔ کیسا سوال تھا کیسا جواب تھا عجب ناز تھا، نرالا انداز تھا، جس نے کہا اسی نے سنا جس نے سنا اسی نے جواب دیا وہی جس نے ازل میں الستؔ کا نغمہ سنایا تھا پھر اسی نے میدان قیامت میں اپنی وحدت کا گیت گایا۔ معلوم بھی ہے اس نے ایسا کیوں کیا؟ کس سے مخاطب ہوا؟ فرعونِ بے عون سے۔ کس کو سنایا؟ نمرود مردود کو۔ کس پر چوٹ کیا؟ شداد خانہ برباد پر جو کمبخت خدائی کے دعویدار تھے۔ اور ملک دولت کے نشہ میں چور جبر و تکبر سے کام لیتے تھے، پھر اس نے اپنا تخت بچھایا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرکے دوبارہ صور پھونکنے کا حکم دیا۔ صور پھونکتے ہی دھوم مچی، غل ہوا، شور اٹھا، کھلبلی پڑی، زمین کو سخت بھونچال آیا، دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو بھول گئیں۔ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔ لوگ ننگے دھڑنگے قبروں سے نکل نکل کر مستانہ وار جھومنے لگے۔ ہر طرف سے فوج نمودار ہوئی اور ٹڈی کی طرح پھیل گئی۔ کوئی اپنی ہوش میں نہ تھا، کسی کے حواس بجا نہ تھے۔ سب پر خوف خدا غالب تھا۔ سب آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ ماں بیٹی کو بھولی ہوئی تھی، باپ بیٹے کو فراموش کر گیا تھا۔ بیوی شوہر سے نفرت کرتی تھی اور بہن بھائی سے بیزار تھی۔

ادھر تو مخلوق کا یہ حال تھا اور ادھر وہ بے نیاز بادشاہ جس نے سکندر کو سلطنت، سلیمان کو بادشاہت، نوشیرواں کو عدالت، حاتم کو سخاوت دیا۔ وہ ہزاروں جاہ و جلال کے ساتھ باشانِ جباری و قہاری باوصف عدل و دادگستری عرش بریں سے سوئے زمین متوجہ ہو کر تخت عدالت کو محیط ہوا۔ آسمانوں کے دروازے کھل گئے، فرشتوں کی صفیں آراستہ ہوئیں، آفتاب سروں پر آ گیا۔ پسینے چلنے لگے اور گنہگار مخلوق پسینے میں تیرنے لگی ہر ایک

بقدر گناہ کوئی ٹخنوں تک، کوئی گھٹنوں تک، کوئی تابہ کمر پسینے میں ڈوب گیا۔ اور کوئی اسی پسینے میں غوطے کھانے لگا۔ غرض ہنگامہ قیامت میلہ نہیں جھمیلا ہوگیا اور اس پردہ نشیں کی دیدار کو جو ازل سے چھپا تھا خلقت ٹوٹ پڑی۔ ہاں وہ جو پردہ میں تھا۔ ظاہر ہوا، راز تھا باز ہوا، خفی (پوشیدہ) تھا، آشکار ہوا، اور نئی سج دھج نرالی شان و شوکت سے بادشاہوں کے بادشاہ حاکموں کے حاکم نے میزان عدل میں نیکی و بدی کے تولنے کا حکم دے کر اپنی مومن و کافر رعایا کو حضوری میں طلب کیا۔

اللہ اکبر! کیا مصیبت تھی، کیسی گھڑی تھی، ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ بڑے بڑے انبیا اس وقت اس کے رعب و دبدبہ کو دیکھ کر نفسی نفسی کہہ رہے تھے۔ اور بڑے بڑے اولیا جنہیں اپنی عبادت اور ریاضت پر بجا ناز تھا۔ اس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ طلبی کی دیر تھی کہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے چالیس برس کے بعد سرکے۔ وہ مسلمان جو اچھے تھے خوب تیز تیز دوڑتے ہوئے موقف کی طرف آئے۔ اور جن کا ایمان کمزور تھا، اعمال اچھے نہیں تھے، وہ آہستہ آہستہ تکلیف کے ساتھ حاضر ہوئے۔ لیکن کفار و منافقین کو تو فرشتے اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے نہایت تکلیف کے ساتھ لائے۔

عقائد و توحید کے سوال کے بعد کفار اور منافقین کو بلا حساب کتاب جہنم کا حکم ملا۔ پھر کیا تھا زبانیہ کے سپاہیوں نے ان کی گردنوں کو دبایا اور ٹانگیں پکڑ پکڑ جہنم میں پھینکنا شروع کیا جسے میدان قیامت میں ستر ہزار زنجیروں سے جکڑے ہر ہر زنجیر کو ستر ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوئے لائے تھے۔ وہ چیخ مار رہے تھے اور اس کی آگ آپس میں ایک دوسرے کو کھا رہی تھی ۔ چنگاریاں اور شرارے اس کے بڑے بڑے زرد اونٹ کی طرح اڑ رہے تھے۔ انشاء اللہ اس کا مختصر بیان آگے آئے گا۔ اب حساب و کتاب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

میدان قیامت کے چار معزز فریادی

پہلا فریادی

روز محشر کہ جاں گداز بود　　اولیں پرشش نماز بود

عقائد و توحید کے بعد سب سے پہلے نماز کا سوال تھا۔ نماز کا نام سنتے ہی نمازیوں کے چہرے چاند کی طرح روشن ہوگئے اور سب کے سب دوڑ کے حضور رب العزت میں صف باندھ کر کھڑے ہوگئے ۔ اور بے نمازیوں کو فرشتوں نے نہایت دردناک عذاب کے ساتھ گھسیٹ گھسیٹ کر خداوند قدوس کے حضور میں حاضر کیا۔ جنہیں دیکھتے ہی خداوند رب العزت نے عتاب شروع کیا اور نماز کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ نماز یہ سن کر نہایت ہی خوب صورت شکل میں آگے بڑھی اور زمین خدمت کو چوم کر فریادی ہوئی کہ پروردگار! یہ روسیاہ و بدکار طبقہ دن رات اپنی اپنی فکر اور اپنے اپنے عیش وآرام میں منہمک رہتا تھا۔ پروردگار عالم! اگرچہ تونے اس پر اپنا فضل و کرم کیا تھا۔ اور بہتوں کو ان میں سے توانا و تندرست بنایا تھا اور بہتوں کو ابتلا و آزمائش میں رکھا تھا اور سب کو حکم دیا تھا کہ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں اور میری طرف سے غفلت نہ برتیں ۔ لیکن افسوس! ان لوگوں نے تیرے حکم کی پرواہ نہیں کی اور ہمیشہ مجھ سے غفلت برتتے رہے اور کبھی میری طرف بھول کر بھی خیال نہیں کیا۔ اور ان میں سے بعض نے کبھی کبھار جو میری طرف قہراً جبراً توجہ کیا بھی تو اس بے دلی اور بے رخی کے ساتھ کہ الامان والحفیظ! خداوندا تو عالم الغیب ہے اور ہر باتوں کو جانتا ہے، مجھ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے، تو خود سمجھ لے۔

اتنا سنتے ہی اس قہار و جبار نے نہایت غیظ و غضب سے بے نمازیوں کو دیکھا اور

انتہائی جاہ وجلال کے ساتھ مخاطب ہوا کہ او بے ایمان و نالائق انسان ! اپنی بداعمالیوں کو دیکھ اور میری مہربانیوں کو دیکھ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تو کچھ بھی نہیں تھا پھر میں نے تجھے ایک قطرۂ ناپاک بنا کر تیری ماں کے رحم میں پہنچایا وہاں تو کچھ دنوں خون بن کر پڑا رہا پھر تجھے گوشت پوست پہنا کر آدمی بنایا اور تیرے کھانے پینے کا سامان میں نے اسی بند اور تاریک کوٹھری میں پیدا کر دیا۔ تجھے ہوا پہنچائی اور بمضمون ولقدخلقنا الانسان فی احسن تقویم. کے تجھے اچھی صورت دی، حسن بخشا جب کہیں جاکے تو اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہوا۔ او نالائق ! کیا میں اس بات پر قادر نہ تھا کہ تجھے ایک رذیل جانور بنا دیتا یا بجائے حسین و خوب صورت انسان بنانے کے ایک نہایت ہی بدشکل و بھونڈا بدصورت حیوان بنا کر چھوڑ دیتا۔ لیکن نہیں میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تجھے ایک نہایت ہی حسین و خوب رو انسان کا بچہ بنایا۔ اٹھارہ ہزار مخلوق کی الگ الگ طاقتوں کو تیرے اندر جمع کر کے اپنی قدرت کاملہ کا مظہر اتم بنایا۔ کیا اس کا شکریہ اور ان احسانوں کا بدلہ یہی تھا جو تو نے کیا او نالائق خبیث ! اگر تو صرف انہیں باتوں کا قیامت تک دن رات شکریہ ادا کرتا رہتا تو ہرگز ادا نہیں کر سکتا تھا۔ او بے ایمان اور دغاباز ! پھر اس کے بعد جب تو ماں کے پیٹ ہی میں تھا تو میں نے پہلے ہی سے تیری ماں کے پستان میں دودھ پیدا کیا، اور ماں کے دل میں تیری الفت دی اور باپ کو محبت دیا جنھوں نے پیدا ہوتے ہی تجھے اپنی آغوش عاطفت میں لیا اور چھاتی سے لگایا، گود میں کھلایا، سروں پر بٹھایا جو تجھے اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور سمجھتے رہے۔ کیا میں اس بات پر قادر نہ تھا کہ تجھے بھوکوں مار ڈالتا یا دودھ کے بدلے زہر پلوا دیتا اور تیری ماں کے دل میں تیری طرف سے نفرت اور باپ کے قلب میں کدورت پیدا کر دیتا کہ وہ تجھے زندہ درگور کر دیتے۔ کیا یہ میری مہربانی نہ تھی ؟ کاش اسی مہربانی کو مہربانی سمجھ کر بھول سے بھی تو پانچ وقت کی نماز ادا کر لیتا۔ او میرے نافرمان بندے اور بندیو میں نے صرف تمھارے ماں باپ ہی کے دل میں محبت

نہیں ڈالی بلکہ تمہیں بچپن میں نہایت اطمینان اور بے فکری سے بھی رکھا۔ تمہیں کمانے کی فکر دی اور نہ محنت کرنے کی، پھر اس کے بعد تم جوان ہوئے اور شباب کے میدان میں تم نے قدم رکھا تو امنگوں اور آرزؤں کے تلاطم خیز طوفان نے تمہیں ایسا اندھا بنایا کہ دین کی خبر رہی نہ دنیا کی، کہیں تم حسن کے پجاری بن گئے کہیں کسی عورت پر تمہارا دم نکل گیا اور کہیں تم خوب رو نوجوان پر لٹّو ہو گئے۔ غرض بوالہوسی اور نفس پرستی کے نشہ میں ایسا مست و سرشار ہوئے کہ مجھے ایک دم بھول گئے پھر جو ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھلے تو کھانے کمانے کی فکر میں ایسا مشغول ہوئے کہ گویا کھانا پینا ہی تمہارا خدا تھا اور تمہاری پیدائش کی غرض بھی یہی تھی۔ حالانکہ تمہاری روزی باوجود تمہاری کثرت معصیت کے تمہیں تکلیف اٹھانے کے بعد یا اطمینان و بے فکری ساتھ، غرض کسی نہ کسی صورت میں روزانہ بھیج ہی دیتا تھا اور تمہارے پیٹ بھرنے کا سامان کر ہی دیتا تھا مگر تم نے میرے واسطے کیا کیا؟ کبھی جھوٹ کو بھی میری حضوری میں گردن جھکایا اور میری نعمتوں کو کھا کر میرا شکریہ ادا کیا۔ بے وقوفو! دو دن کی زندگی پر تم ایسا بھولے اور اتنا فریفتہ ہوئے کہ جیسے تمہیں میرے پاس پھر کبھی آنا ہی نہیں تھا اور دنیا کی چند روزہ زندگی کو حیاتِ جاودانی سمجھ کر تم نے وہ وہ اُودھم مچائے اور ایسے ایسے حیا سوز کام کیے کہ انسانیت کے ماتھے پر تمہارے اعمال کلنگ کا ٹیکہ بن گئے۔ غرض تم دنیا میں جاکر طرح طرح کے جھمیلے اور بکھیڑے میں پڑے رہے اور محض دوسروں کی خاطر قسم قسم کے گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ جھوٹ بولے، دغابازی کی، فریب دیا، یتیموں کے مال اڑائے، بیواؤں کی حق تلفی کی، غریبوں کو ستایا اور مظلوموں کو رلایا۔

مختصر یہ کہ دنیا کمانے کے لیے ہر حلال و حرام وسائل و ذرائع کو اختیار کر کے تم نے دولت جمع کر کے اپنے اہل و عیال کی پرورش کی اور دولت کثیر چھوڑ کر آئے۔ مگر اب بتاؤ اس وقت کہاں ہیں تمہارے بال بچے اور اپنے بے گانے جن کے واسطے تم دنیا

بھر کے گناہوں کے مرتکب ہوئے تھے اور جن کی فکر میں میری عبادت و ریاضت کو بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔ نالائقو بدکردارو! تم رات دن اپنے نفس کی خاطر اور اپنے آرام و آسائش کے لیے تو دنیا بھر کی مصیبتوں کو جھیلتے اور تکلیفوں کو سہتے تھے لیکن میرے سامنے دن رات میں صرف پانچ مرتبہ گردن جھکانے میں تمہیں بخار آجاتا تھا تمھارے سروں میں درد ہوجاتا تھا۔ او ناہنجارو! تمہیں انصاف سے سوچو اور گریبان میں منہ ڈال کر ذرا غور تو کرو کہ جب تم کسی کے ہاں نوکری کر لیتے تھے یا کوئی دو چار پیسہ دے کر تم پر احسان کر دیتا تھا تو کس طرح تم دن رات اس کی خدمت اور خوشامد میں لگے رہتے تھے اور اپنے محسن و مالک مجازی کی دل جوئی اور رضا مندی کے لیے انتھک کوششیں کرتے رہتے تھے۔ مگر میں نے جو تمہیں پیدا کیا۔ آدمی بنایا۔ ناک، کان، صورت، شکل سب کچھ جیسا کہ چاہتے تھے مناسب اور موزوں طریقے پر دیا تمھارے کھانے کے واسطے اناج پیدا کیا طرح طرح کی ترکاریاں پھل پھول اور قسم قسم کے میوے دیے۔ میرے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟ او نافرمانو! تمہیں سوچو کہ آخر میں نے کائنات کی ساری چیزوں کو کیوں اور کس کے واسطے پیدا کیا تھا؟ صرف تمھارے ہی واسطے اور تمھارے ہی خاطر۔ تو کیا یہ میری بخشش نہ تھی اور یہ میرا احسان نہ تھا کہ میں نے چاند، سورج ، ہوا، بادل اور دنیا کی ساری چیزوں کو تمھارے لیے مسخر (فرماں بردار کیا) آسمان سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی برسایا۔ زمین کو تمھارا گھوارہ بنایا اور اس سے قسم قسم کے سبزا اگائے سبزوں میں پھل لگایا پھول پیدا کیا پھولوں میں رنگ و بو دیا تاکہ تمھارے دماغوں میں قوت، دلوں میں سرور پیدا ہو اور تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو مگر تم نے اپنی آنکھیں بند کر کے میرے ان سارے احسانوں کو بھلا دیا اور میری عبادت و بندگی اور اطاعت و فرماں برداری سے منہ موڑ کر طرح طرح کی سرکشیوں اور بدمعاشیوں میں مبتلا رہے اور میرے اوامر و نواہی سے غفلت برتتے رہے۔

ہاں اے خبیث عورتو! سب سے زیادہ تو عذاب کی مستحق تمہیں ہو اس لیے کہ میں نے تمہیں شروع سے لے کر اخیر تک آزاد رکھا ہر طرح کا آرام دیا، حسن بخشا، اچھی صورت دی، کمانے سے آزاد کیا، گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا مگر تم نے اس کو عذاب سمجھا اور بجز کھانے پکانے کے کوئی کام نہیں رکھا صرف اسی کو اپنا فرض و واجب سمجھتی رہیں۔ کیا میں نے تمہیں اسی واسطے پیدا کیا تھا اور تمھارے پیدا کرنے سے میرا منشا یہی تھا۔ نادانو! میں تمھاری ہر کھلی چھپی باتوں کو جانتا ہوں اور تمھارے عذروں کو بھی خوب سمجھتا ہوں۔ تم دنیا میں طرح طرح کے بہانے کیا کرتی تھیں اور قسم قسم کے حیلے بہانے کر کر کے میری بندگی سے جی چرایا کرتی تھیں۔ کیا تم میں بہت سی عورتیں اس وقت اس قسم کی موجود نہیں ہیں جنہیں یہ عذر تھا کہ ہمارے بال بچے دن رات پیشاب پاخانہ کر دیا کرتے ہیں۔ کپڑے لتّے گوہ موت میں ہر وقت تر رہا کرتے ہیں۔ بھلا ہم کیسے نماز پڑھیں؟ حالانکہ تمھارا یہ عذر ہیچ اور بہانے بے کار ہیں۔ کیا میں نے تمہیں بچہ اسی واسطے دیا تھا کہ تم اس کو گناہ کا باعث بنالو اور سارا الزام اسی کے سر تھوپ کر پار اتر جاؤ۔ نالائقو! تمہیں بچہ دینے سے تو میرا یہ مطلب تھا کہ تم اور بھی خوش ہو کر میرا شکریہ ادا کرو اور دن رات میری شکر گذاری اور فرماں برداری میں مشغول رہو مگر تم نے کیا اس کے الٹا اور چلیں اصول کے خلاف۔ بلکہ بسا اوقات جب تم میں سے کسی کو اولاد ہونے میں دیر ہوئی تو تم نے نہ صرف نمازیں پڑھنی شروع کر دی بلکہ تعویز گنڈے ٹونے ٹوٹکے ملانے سیانے وغیرہ سے بھی کام لینے لگیں اور بہتوں نے تو اور بھی دو قدم آگے بڑھ کر ہندوؤں کے مراسم قبیحہ کو اختیار کیا۔ ان کے شوالوں میں گھسیں، پوجاریوں میں ملیں ، حد یہ کہ بت پوجا، شرک کیا اور اپنے ایمان کو تباہ و برباد کر کے عذاب جہنم میں گرفتار ہوئیں۔ مگر جب ہم نے ان پر اپنا فضل و کرم کیا اور اولاد بخشا تو لگیں ناشکری کرنے اور عبادت سے منہ موڑ کر طرح طرح کی نافرمانی کرنے، ہاں ہاں۔ کیا اس وقت تم میں

بہت سی عورتیں ایسی موجود نہیں ہیں جنہیں ہمارے جاننے والے بندے جاکر سمجھاتے بری باتوں سے روکتے اچھی باتوں کا حکم کرتے نماز کی تعلیم دیتے تو بجائے سننے اور عمل کرنے کے وہ انہیں گالیاں دیتیں، ان سے نفرت کرتیں اور اصرار کرنے پر عاجز ہو کے کہہ دیتیں کہ بس بس میں سن چکی مجھ کو گھر کے کام دھندوں سے چھٹی ہوتی ہی نہیں ہے کہ سیکھوں اور پڑھوں اور اگر فرصت کے وقت کوئی بتاتا بھی ہے تو نگوڑا دماغ ایسا کمزور ہے کہ یاد ہی نہیں رہتا۔ اب جو بھی ہو خدا بہشت میں رکھے یا دوزخ میں ڈال دے میں تو صاف کہہ دوں گی کہ مجھے نماز کی سورتیں یاد ہی نہیں رہتی تھیں۔ واہ واہ! کیا خوب بڑی جسارت و دلیری سے کام لیا کہ مجھ کو دھوکہ دینے اور جھوٹ بول کر فریب دینے کے واسطے تیار ہو گئیں۔ او ناشکرو اور احسان فراموش عورتو! میرا یہ احسان تھا کہ میں نے تمہیں کام دھندوں میں لگائے رکھا اپنی نعمتوں میں مشغول و منہمک رکھا تمہیں تو اور بھی زیادہ میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا کہ پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں کام کاج کرنے کے لائق بنایا۔ کوڑھیوں اور اپاہجوں کی طرح نہیں بنایا کہ دن رات بیکار پڑے رہیں بلکہ کام کاج کر کے اور ہاتھ پاؤں ہلا کے کھائیں اور یہ عذر کہ یاد نہیں رہتا تھا، یہ ایک دم لغو اور بیکار ہے۔ دنیا بھر کے قصے کہانیاں، طرح طرح کی گالیاں، شادی بیاہ کے قسم قسم کے گانے کہ گاتے گاتے دن رات گذر جاتے تھے اور اس کی ایک کڑی بھی فراموش نہیں کرتی تھیں اور طرح طرح کے شکوے شکایت لڑائی جھگڑے کی باتیں یاد رکھنے کے لیے تو ذہن تمھارا خوب تیز تھا کہ ایک مرتبہ سن کر سیکڑوں برس کے لیے خزانۂ خیال میں محفوظ رہ جاتا تھا مگر نماز کی سورتوں اور دعاؤں کے یاد کرنے میں دماغ میں بھوسا بھر جاتا اور کانوں میں ٹھیپیاں لگ جاتی تھیں۔

کیوں اے عورتو بتاؤ نماز پڑھنے کی اور میری عبادت کرنے کی تو چھٹی نہیں ملتی تھی مگر لڑائی جھگڑا کرنے کے لیے تمہیں کافی وقت مل جاتا تھا۔ ہاتھ چمکا چمکا کر اور اوچھل اوچھل

کر لڑنے کے واسطے سارا کام دھندہ بند ہو جاتا تھا اور سارے کاروبار سے فرصت ہو جاتی تھی ۔ غرض مختصر یہ کہ تمھاری شرارتوں اور اپنی نعمتوں کو کہاں تک گناؤں اور کس کو بتاؤں کہ تم نے کیا کیا اور میں نے کیا کیا دیا۔ بس تمھارے واسطے ہمارا یہی فیصلہ ہے کہ تم جہنم میں جلتی رہو اور کچھ نہیں ۔ میں جانتا ہوں اس وقت تمھارے ساتھ وہ عورتیں بھی ہیں جنہیں ہم نے اپنے فضل و کرم سے بڑے بڑے امیر گھرانوں میں پیدا کیا، ناز و نعمت میں پرورش کرایا ، چاند جیسی صورتیں دیں، پھول جیسے رخسار عطا کیے، غنچہ جیسا دہن عنایت کیا، نرگس جیسی آنکھیں بنائی، شمساد جیسا قد بخشا۔ مزید برآں دولت و امارت غرض ہر طرح کا آرام و عیش کا سامان مہیا کر دیا کہ تمھارا جو اور جب جی چاہے کھاؤ، جیسا اور جس قسم کا کپڑا چاہو پہنو اوڑھو پھر اس کے بعد تمھاری شادیاں بھی بڑے بڑے رئیسوں اور دولت مندوں سے کرادیا تاکہ وہاں بھی تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو آرام سے رہو سہو۔ تمھارے ہی جیسے انسانوں کو تمھاری خدمت کے واسطے دائی نوکر چاکر لونڈی غلام خدمت گار بنا کر تمہیں ہر طرح کا اطمینان اور بے فکری دیا حتی کہ پکانے چکانے کے علاوہ ہاتھ منہ دھلانے تک کے لیے ہم نے تمھارے واسطے آدمی مقرر کر دیا مگر تم نے اس کے شکریہ کے بجائے ہمارا کفران نعمت کیا۔ کھایا ہمارا، پہنا ہمارا، چلیں ہماری زمین پر، بسیں ہماری سلطنت میں لیکن کبھی یہ تو نہ ہو سکا کہ اٹھ کر میری عبادت کر لیتیں بلکہ اور بھی صبح کے وقت جب کہ چڑیاں اپنے آشیانوں میں، مینڈک پانی میں، چوپائے چراگاہوں میں میری وحدت کا ترانہ گانا شروع کرتے میری تسبیح و تقدیس میں مصروف ہوتے تو تم اپنے کانوں میں تیل ڈالے ساری دنیا سے بے خبر پڑی رہتی تھیں۔ کیا ہمارے ان احسانوں کا بدلہ اور ہماری مہربانیوں کا صلہ یہی تھا کہ تم مہینوں بھر کیا عمر بھر کھاؤ ہمارا پہنو ہمارا اگر دن بھر میں پانچ مرتبہ ، مہینہ میں ستائیس دن یا پچیس دن یا تیئیس دن یا بیس دن بھی میری نماز نہ پڑھو میرے آگے سر نہ جھکاؤ بس جبکہ تم سے دنیا میں اتنا نہیں ہو سکا تو آج یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمہیں دوزخ میں جلائے بغیر چھوڑا

جائے، جاؤ جلو بھُنو اور اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھو پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ رب العزت خاص مردوں سے مخاطب ہوا کہ اے مردو اور اے بے نمازیو! ہم نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے مرد بنایا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سوچ سمجھ عقل و دانش سب کچھ علی وجہ الکمال اور پورا پورا دیا مگر تم نے بھی میری عبادت میں کوتاہی کی، میری بندگی کرنے میں طرح طرح کے حیلے حوالے کیے۔ کہیں تو تم نے یہ بہانہ کیا کہ ہم غریب آدمی دن رات کمانے کھانے کی فکر میں کھیت کھلیان نوکری چاکری کام دھندے میں لگے رہتے ہیں، بھلا ہمیں چھٹی کہاں ملتی ہے کہ نماز پڑھیں یا کہیں جاکر سیکھیں اور جو رات کے وقت کچھ فرصت ملی بھی تو دن بھر کے تھکے ہارے آئے اور آتے ہی بد حواس پڑے رہے۔ واہ واہ خوب! دن بھر تو کماتے کماتے ٹانگوں میں درد نہیں ہوا، تکان نہیں آئی لیکن جب نماز کا معاملہ آیا تو بدن میں درد اعضا شکنی اور اونگھ سب کچھ آگئی۔ کیوں جی تم تو کہتے ہو کہ مجھے چھٹی نہیں ملتی تھی بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم دن رات میں کھانا کتنے مرتبہ کھاتے تھے۔ پیشاب پاخانہ کے لیے کتنے دفعہ جاتے تھے، تازہ دم ہونے کے لیے کتنے بار بیٹھتے تھے؟ حساب کرو اور بتاؤ ان کاموں کے لیے تمہیں چھٹی ہوتی تھی فرصت ملتی تھی اور نہیں ملتی تھی تو صرف نماز کے لیے کیا میری نماز اس سے بھی کم درجہ رکھتی تھی یا اس سے بھی گئی گذری حالت میں تھی ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ہاں تو تھا کیا؟ تم اس کو ضرور سمجھتے تھے اور اس کو غیر ضروری بس یہ حیلہ حوالہ کہ ہم غریب آدمی تھے یا یہ کہ ہمیں فرصت نہیں ہوتی تھی کوئی چیز نہیں ہے اور تم میں سے جو امیر تھے انھوں نے کیوں نمازیں چھوڑیں؟ عبادت سے منہ موڑا فرعون بے عون ہے کیوں جی مالدار اور امیرو! ھاؤم اقرؤا کتابیہ اور اپنے اعمالناموں کو پڑھو اور بتاؤ کہ تم نے کیوں نمازیں چھوڑیں؟ کیا میں نے روپیہ پیسہ دھن دولت اسی واسطے دیا تھا کہ آواروں اور لفنگوں کے ساتھ بیٹھ کر عیش کرو تاش کھیلو شطرنج کی گوٹیاں پھینکو رات رات بھر تھیٹر دیکھو بائسکوپوں میں جاؤ کوٹھوں کی سیر کرو دن دن بھر دوستوں احبابوں سے ملو جلو ہنسو بولو چلو پھر

وخلق خدا کو ستاؤ ذرا ذرا سی بات پر مقدمہ کرو کچہریوں کی سیر کرو غریبوں کو لوٹو یتیموں کو مارو بیواؤں کا دل دکھاؤ ذاتی منفعت اور کونسل کی ممبری و شکار کے لیے جنگل بیابان صحرا پہاڑ غرض ساری دنیا کو چھان ڈالو اور جگہ جگہ مارے مارے پھرو لیکن نماز کے وقت ایسا منہ بنا کر سوؤ جیسے برسوں کا اپاہج و بیمار جو کہیں چل ہی پھر نہیں سکتا ہو۔ جاؤ جاؤ تم سب کے سب آتشِ جہنم میں ؟جل لو پھر کہیں جنت کا نام لینا۔

ہاں ہاں اے جنٹلمینو اور فیشن ایبلو! تم تو دنیا میں اپنے کو عقل کا پتلا اور سارے جہاں سے اپنے کو اشرف و اعلیٰ اور افضل و بالا سمجھتے تھے اور دو چار حرف انگریزی پڑھ لینے کے بعد اپنے زعم باطل میں دنیا کے سارے علوم و فنون کا اپنے آپ کو وارث سمجھتے تھے اور زندگی کے ہر شعبے میں دخل دے کر (خواہ تمہیں کچھ بھی نہ آتا ہو) اپنی عقل مندی دوسروں سے منواتے تھے۔ یہ تو بتاؤ کہ یہ کون سی عقل مندی اور کہاں کی دانش مندی تھی کہ جس کا کھاؤ اس کا کام نہ کرو اور جس کا پہنو اس کا نام نہ لو بلکہ اور بھی طرح طرح کے من گھڑت مسئلے بنا کر نماز کی تخفیف کا فتویٰ دے دو اور یہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہماری نماز کا بھوکا نہیں ہے۔ چاہے پڑھیں یا نہ پڑھیں، وہ غفور الرحیم ہے سب بخش دے گا۔ اگر چہ تمھارا یہ کہنا ٹھیک اور سچ ہے لیکن یاد رکھو جس طرح میں تمھاری نماز کا بھوکا نہیں ہوں اسی طرح تمہیں جنت میں بھی لے جانے کا بھوکا نہیں ہوں۔ میں غفور الرحیم ہوں تو قہار جبار بھی ہوں۔ لو میرے قہر و غضب کو بھی دیکھو اور اس کا مزہ بھی چکھو۔ کیوں اے نالائقو! جب تم سے نماز کے لیے کہا جاتا تو تم یہ نہیں کہہ دیتے تھے کہ وضو کرنے میں ہمارے کپڑوں کی استریاں ٹوٹ جاتی ہیں، شکنیں پڑ جاتی ہیں، سلجھی زلفیں شیطان کی لٹیں الجھ جاتی ہیں، مانگ بگڑ جاتے ہیں، اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ تو یہ عذر تمھارا کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے جب کہ تم اپنے کاموں کے لیے گرد و غبار میں چلتے اور بارشوں میں بھیگتے ہوئے نکلتے تھے۔ کیا اس میں تمھارے کپڑے نہیں خراب ہوتے تھے ؟ استریاں

نہیں ٹوٹتی تھیں؟ مانگیں نہیں بگڑتی تھیں اس کے علاوہ تم دن رات سینکڑوں کام پانی سے کیا کرتے تھے مگر اس میں تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوتا تھا اور ہوتا تھا تو صرف وضو کرنے میں۔ بس بس معلوم ہوا یہ عذر اور بہانہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ تم شیطانوں کی صحبت میں اٹھے بیٹھے، کتّوں کے ساتھ ملے جلے۔ بس ان کی ساری بری باتیں تم نے اختیار کرلیں اور انھیں میں سے ہوگئے۔ داڑھیاں گھٹائیں اور مونچھیں بڑھائیں تم چلے ان کی چالوں پر، اختیار کیا ان کی وضعوں کو، کیوں جی میں جھوٹ کہتا ہوں؟ تم پتلون پہن کر کھڑے کتوں کی طرح پیشاب نہیں کرتے تھے؟ شیطانوں کی طرح دوسروں کو نہیں بہکاتے تھے؟ مسجدوں میں جانے سے ننگ وعار نہیں کرتے تھے میرے سیدھے سادے نیک بندوں کو جو عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے انہیں تم اپنے خیال ناقص میں بیوقوف نہیں سمجھتے تھے، ان غریبوں کو حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے؟ اور طنزاً انہیں مسجد کا ملاّ مکار وریاکار وغیرہ نہیں کہا کرتے تھے؟ مسلمانوں اور اصول اسلام سے متنفر نہیں رہا کرتے تھے یہود ونصاری سے ملنے اور ان کے طور طریق پر چلنے کو اپنے لیے باعث عزت وافتخار نہیں سمجھا کرتے تھے۔ جاؤ جاؤ میرا فیصلہ آج سے نہیں ازل ہی سے ہو چکا ہے: من تشبه بقوم فهو منهم.

جو جس قوم سے مشابہ ہوا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ ہٹو میرے سامنے سے دور ہو میری نظروں سے اور انہیں کے ساتھ آج بھی رہو سہو جس سے دنیا میں تمہیں الفت تھی اور جن کی محبت کا تم دم بھرتے تھے۔ اگر تمھارے دلوں میں میری اور میرے پاک بندوں کی محبت ہوتی تو میرے اصولوں پر چلتے، میرے نیک بندوں کی وضع قطع اختیار کرتے۔ اتنا کہنا تھا کہ بے نمازیوں کے چہرے سیاہ، صورتیں مسخ اور کھالیں اوتر گئیں اور وہاں سے فرشتوں نے دھکے دے دے کر جہنم کی طرف نکال باہر کیا اور نمازیوں کو نہایت ہی پیار و محبت کے ساتھ جنت کی طرف لے گئے۔

میدان قیامت کا دوسرا معزز فریادی

روزہ

نماز کے بعد روزہ نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر حضور رب العزت میں یوں فریادی ہوا کہ پروردگار عالم! آج تیرے اچھے برے سب بندے حاضر ہیں۔ اولین و آخرین کا مجمع ہے۔ الٰہ العالمین! تو خوب جانتا ہے اور ہر کھلی چھپی باتیں تجھ پر ظاہر ہیں۔ خداوندا! تو نے مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس بھیجا تھا اور میری خدمت بھی انہیں پر فرض کی تھی لیکن بہتّوں نے تیری عدول حکمی کی، مجھ سے پہلو تہی کیا، میرا جانا ناگوار سمجھا۔ چنانچہ انھوں نے مجھے نہایت ذلت کے ساتھ ٹھکرادیا اور بجائے میری خدمت کرنے کے مجھے اپنے گھروں سے نکال باہر کیا مگر تیرے بہت تھوڑے سے بندوں نے مجھے عزت و احترام سے رکھا، میری قدردانی کی۔ اے عالم الغیب و قادر وقیوم! آج تیرے سامنے میرے قدردان اور ناقدرے سبھی موجود ہیں۔ تو ان ناقدروں بے روزہ داروں سے سمجھ، میری فریادرسی کر اور داد (انصاف) دے کہ انہوں نے کیوں بلاوجہ مجھے ذلیل کیا۔ اور روزہ داروں کو اپنے فضل وکرم سے جیسا نیک سلوک اور اچھا برتاؤ انھوں نے میرے ساتھ کیا تو بھی اس کا بدلہ جو سب سے اچھا اور احسن ہوانھیں دے۔ اتنا سنتے ہی روزہ داروں کا چہرہ مارے خوشی کے دمکنے لگا۔ کندن کی طرح چمکنے لگا اور ان کے منہ سے مشک زعفران کی خوشبو اس قدر اڑی کہ تمام فضا معطر ہوگئی۔ اور بے روزہ داروں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ روزہ داروں کو بشاش اور خداوند عالم کو اپنے اوپر ناراض دیکھ کر ان لوگوں کا منہ ایک دم کالا ہو گیا اور منہ سے سنڈاس کی سی بدبو آنے لگی۔ والعیاذ باللہ منہا!

روزہ داروں پر رحمت خداوندی کا مینہ خوب خوب برسا اور ارشاد ہوا کہ میرے پیارے بندو! شاد اور مسرور رہو اور میری جنت میں باب الرّیان سے داخل ہو کر عیش مخلد میں آرام کرتے رہو۔ اس لیے کہ تم نے دنیا میں محض میری رضا اور خوشنودی کے واسطے اپنے آرام کو ترک کردیا اور کھانا پینا ولذّاتِ دنیا کو صرف میرے حکم پر قربان کردیا تھا۔ میرے فرماں بردار اور روزہ دار بندو! آج میں بھی تم پر اپنی رحمتوں کی موسلا دھار بارش برساؤں گا اور اپنی نعمتوں کے دینے میں دریغ نہیں کروں گا بلکہ میں خود اپنے دست قدرت سے تمھاری عبادت وبندگی کا صلہ جیسا کہ چاہیے دوں گا اور اے بے روزہ دارو نافرمانو بدکردارو! تم پر آج میں سخت عذاب کروں گا اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کروں گا، اس لیے کہ تم نے میرے اس فرض کے ادا کرنے میں بہت لاپروائی اور نہایت غفلت سے کام لیا! میرا یہ مبارک مہینہ تمھارے پاس ہمیشہ نہیں جاتا تھا بلکہ سال میں ایک مرتبہ لیکن تمہیں میرے اس عزیز کا جانا ایسا ناگوار معلوم ہوتا تھا کہ تم اس کے آنے کے قبل ہی سے اس کے نکال باہر کرنے کی تدبیریں کرنے لگتے تھے۔ کوئی بیمار بن جاتا اور کوئی جُلّاب (ایسی دوا جس سے دست اور پیچش آنے لگے) لے کر ضعف اور کمزوری پیدا کرلیتے تھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کون کس نیت سے کام کرتا تھا۔ تم نے دنیا کو دھوکہ دینے کے واسطے تو حکیموں کے نسخے اور ڈاکٹروں کے سرٹیفکٹوں کو جمع کرلیا تھا لیکن میرے سامنے تو کوئی بھی بہانہ تمھارا چل ہی نہیں سکتا۔ او نادانو! آؤ اپنے حیلوں کو پیش کرو عذروں کو بیان کرو، دیکھوں تو کہاں تک صحیح ہے؟ اے احمقو! میں نے تمھارے ہی فائدے کے لیے تو روزہ فرض کیا تھا اور صرف روزہ ہی پر کیا منحصر ہے جتنی بھی عبادتیں تھیں سب میں تمھارا ہی فائدہ تمھاری ہی بھلائی مضمر اور پوشیدہ تھی۔ مگر تم نے سب میں اپنا نقصان سمجھا اور سب کو اپنے واسطے وبال جان سمجھتے رہے۔ روزہ میں نے تم پر فرض کیا کہ سال بھر تک کھاؤ پیو اور ایک مہینہ روزہ رکھ لو تاکہ تمھارے اندر جو

بیماریاں اور خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، وہ سب کی سب دفع ہوجائیں اور قوت بہیمیہ (حیوانی قوت) جو کھانے پینے کی وجہ سے تیز ہوگئی ہے، اس پر قوت ملکوتیہ (ایسی قوت جس کی وجہ سے انسان فرشتوں جیسا کام انجام دے) کا غلبہ ہوجائے اور تم اپنے نفس سرکش کو قابو میں کر کے اتّقاو پرہیزگاری جو عبادت کا اصلی مقصد اور پیدائش کی غرض ہے حاصل کرو۔ لیکن تم نے عمر بھر مَنوں ہمارا دیا ہوا اناج کھایا، ہماری نعمتوں کو ٹھونسا۔ گھڑوں پانی پیا، شربتوں کو ڈکوسا (گٹ گٹ پینا) مگر کبھی یہ بھی خیال ہوا کہ جس کا سال بھر تک کھایا پیا پہنا اوڑھا اس کے واسطے اور اس کے حکم پر کچھ دنوں تک تو ایک وقت کا کھانا پینا چھوڑ دیں، عیش و آرام کو تج دیں بلکہ اور بھی مجھ کو چڑھانے اور میرے روزہ دار بندوں کو بنانے کے خیال سے خوب دکھلا دکھلا کر کھانا شروع کرتے تھے۔ اس پر اگر کوئی سمجھانے والا سمجھاتا اور روزہ رکھنے کے لیے کہتا تو کوئی تم میں کا یہ کہہ دیتا کہ ہم غریب آدمی روزہ رکھنے کی طاقت کہاں رکھتے ہیں۔ دن رات دھوپ اور گرمی میں کام کرنا پڑتا ہے، اگر ہم روزہ رکھیں گے تو کام نہیں ہوسکے گا اور بھوکوں مرجائیں گے لیکن کبھی یہ تو نہیں سوچا کہ ہمارے کمانے سے کچھ نہیں ہوتا کھانا پینا موت اور زندگی سب میری طرف سے ہوتا ہے۔ رزق اور روزی کا دینے والا سوا میرے اور کوئی نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ روزہ رکھنے میں تمہیں موت ہی آجاتی تھی لیکن پھر بھی تو تمھاری زندگی میں سیکڑوں واقعات اس قسم کے ہیں کہ تم نے اپنی ضرورتوں کو بھوکے پیاسے رہ کر چلچلاتی دھوپ میں سڑی گرمیوں میں پورا کیا۔ بلکہ بسا اوقات تو دو دو دن تک بھوکے پیاسے رہ کر کام کیا اور ذرا بھی بھوک اور پیاس کا نام نہیں لیا۔ کیوں اس میں تمہیں موت نہیں آگئی؟ تم دھوپ میں نہیں جل مرے؟ اور موت آئی تو صرف روزہ رکھنے اور عبادت کرنے میں اور کوئی تو یہ کہتا کہ روزہ رکھنے میں میرے حواس بجا نہیں رہتے غصہ آتا ہے اور پھر کچھ نہیں سوجھتا۔ حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں تھا، تم روزہ رکھ کر برداشت کرتے سمجھ سے کام لیتے

کہ روزہ نہ رکھنے کی صورت میں میرا مالک اور مجھ کو پیدا کرنے والا اس سے کہیں زیادہ بگڑے گا جتنا میں روزہ رکھ کر غصہ ہوتا ہوں۔ پھر اس کے علاوہ روزے تو میں نے اسی لیے فرض کیا تا کہ تمھارے اندر کسر نفسی او منکسر المزاجی پیدا ہو نہ کہ تم اور آتش مزاج ہو جاؤ مگر وہ جب ہوتا کہ تمھارا مجھ پر ایمان بھی ہوتا۔ تم نے تو ان باتوں کو خیالی سمجھا اور ٹال دیا تمھارا ایمان تو اپنی قوت اور اپنے بل بوتے پر تھا تم سمجھتے تھے کہ میں کماتا ہوں تو کھاتا ہوں، اس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ افسوس تم اس کو تو سوچے کہ اس قوت کا پیدا کرنے والا اور روزی روزگار کا دینے والا کون ہے۔ اور تمھارے امراء (مالدار لوگ) کا تو پوچھنا ہی کیا ہے! ان کا تو ان باتوں میں نمبر بڑھا ہی رہنا چاہیے تھا اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ نازک تھے اور ان کو زیادہ غصہ تھا۔ کیوں جی اغنیاؤ تم نے کیوں روزے نہیں رکھے؟ کیا تم پر فرض نہیں تھا؟ ارے روزہ تمہیں لوگوں تو زیادہ رکھنا چاہیے تھا اس لیے کہ میں نے تمہیں دولت و امارت دیا تھا، ہر طرح کے عیش و آرام کی چیزیں بخشی تھیں تا کہ تم میرے حکموں پر چلو اور میرا شکریہ ادا کرو مگر حیف! تم نے میری نعمتوں کی قدر نہ کی اور میرا کھا کر مجھی کو دغا دیا۔

اے بے روزہ دار عورتو! تم پر جب کوئی مصیبت آجاتی تھی تو منّتوں کے بے حساب روزے رکھ لیا کرتی تھیں۔ شادی بیاہ میں اکثر دن دن بھر بھوکی پیاسی رہ جایا کرتی تھیں۔ شوہر ناراض ہوتا تھا تو اس کی خوشامد میں دانہ پانی حرام کر لیتی تھیں یا خود شوہر سے یا اپنے پرائے سے لڑ جھگڑ کے روٹھ جاتی تھیں تو ایک گھنٹہ کیا اور ایک دن کیا چوبیس چوبیس گھنٹہ اور دو دو دن کھانا پینا چھوڑ کر منہ بُھلائے الگ پڑی رہتی تھیں۔ لیکن رمضان میں سویرے بھوک لگ جاتی تھی اور میری نافرمانی کے لیے علی الصباح ہی پیٹ میں چھچھوندر دوڑنے لگتی تھی۔ اے مردو اور عورتو! میں نے تم پر کیسی کیسی مہربانیاں کیں اور تمھارے واسطے کیا کیا چیزیں بنائیں مگر تم نے میری نافرمانیاں کیں اور میری ناشکری پر

اڑے رہے۔ دیکھو یہ آسمان و زمین اور آسمان میں پرنور سورج، چمکتا ہوا چاند، جگمگاتے ہوئے ستارے اور بادل بادل میں پانی، پانی میں ٹھنڈک اور لطافت و شیرینی پیدا کیا زمین پر سبزہ اگایا، سبزے سے اناج دیا، ہوا چلایا، درخت پیدا کیا، پہاڑ بنایا۔ پہاڑوں میں جڑی بوٹیاں اور قسم قسم کی دوائیاں اور پھل پھول اور سونا چاندی پیدا کیا۔ گایوں بھینسوں اور بھیڑ بکریوں ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں وحوش و طیور کو تمھارے ساتھ زمین پر بسایا آخر یہ کیوں اور کس کے واسطے میں نے پیدا کیا؟ تمھارے لیے اور صرف تمھارے فائدے کے واسطے۔ فبایّ الآء ربکما تکذبان

پس تم ہماری کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ غور کرو اور سوچو کہ ہم نے تمہیں محض اپنی قدرت کاملہ سے کیا کچھ نہیں دیا مگر تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ ہماری اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت کہاں تک بہم پہنچایا۔ ہمارے حکموں پر کہاں تک چلے، اب تمہیں انصاف کرو، اس کفران نعمت اور ناشکر گذاری کا صلہ کیا ہونا چاہیے؟ اس نافرمانی و بے ایمانی پر سزا دینی چاہیے یا نہیں؟ میں آج کے دن ذرہ بھر ظلم اور بے انصافی نہیں کروں گا اور نہ ہی میں ظالم اور بے انصاف ہوں۔ میں آج کے دن ذرہ ذرہ کا حساب لوں گا اور جس کو چاہوں گا بخشوں گا اور جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ مگر تم پہلے اپنی اطاعت و فرماں برادری کا ثبوت دو، اپنی خواہشات نفسانیہ کی قربانیوں کو دکھاؤ کہ تم نے کتنے دنوں تک میرے واسطے اور میرے حکم پر اپنا کھانا پینا چھوڑا اور بھوکے پیاسے رہے؟ ورنہ جاؤ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگاروں لپکتے ہوئے شعلوں کو چباؤ اور نگلو۔ جلو اور بھنو پیاس لگے تو روغۃ الجنال اور دوزخیوں کے گرم گرم پیپ اور لہو کو پیو۔ اس کے بعد فرشتوں نے روزہ داروں کو جنت کی خوشخبری سنائی اور بے روزہ داروں کو وہاں سے نکال کر باہر کیا اور جہنم کی طرف کشاں کشاں لے چلے۔

میدان قیامت کا تیسرا فریادی

زکوٰۃ

نماز روزہ کے گذر جانے کے بعد اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کو طلب کیا زکوٰۃ مع مالداروں کے دربار خداوندی میں حاضر ہوئی اور سجدہ عبودیت و حمد و ثنا کے بعد گویا ہوئی کہ اے غنی الاغنیا اور اے امیروں وفقیروں کے بادشاہ! آج تیرے امیر وغریب سب بندے حاضر ہیں اور سب کے سب تیرے عدل و انصاف کے خواہاں ہیں۔ اے عالم الغیب والشہادۃ! تونے مجھ کو اپنے فضل وکرم سے صرف دولت مندوں امیروں اور صاحب ثروت لوگوں کے پاس بھیجا تھا اور انھیں لوگوں کو میرا مکلف بنایا تھا ،اس میں شک نہیں کہ تیرے بعض بعض نیک اور متقی و پرہیز گار بندوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور برابر ہر سال میرا خیال کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہے ۔لیکن تیرے بہت سے نالائق بندوں نے میری بے حرمتی کی اپنا فرض اور میرا حق نہ ادا کر کے ناحق مجھے رسوا اور ذلیل کیا۔ الہ العالمین! اب تو ہی انصاف کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے مجھے تیرا فرض سمجھ کر ادا کیا ان پر اپنا فضل وکرم کر اور انہیں بخش دے ۔وہ احکم الحاکمین اس بیان کو سن کر زکوٰۃ دینے والوں کی طرف نہایت ہی مہربانی اور شفقت سے متوجہ ہوا کہ اے میرے فرماں بردار بندو اور نیکوکارو! میں نے تمہیں دھن دولت روپیہ پیسہ زر زمین سونا چاندی سب کچھ دیا تم کو سیٹھ و امیر زمیندار و مالدار بنایا اور تمہیں جیسے انسانوں کو تمھارا محتاج و دست نگر بنا کے تم پر صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کو فرض و واجب کیا اور تم نے بھی نہایت فراخ دلی اور عالی حوصلگی کے ساتھ میرے خط فرمان پر سر رکھ دیا، اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائیوں سے غریبوں کو دیا، یتیموں کو کھلایا،

بیواؤں کی پرورش کی، طالب علموں کو پڑھایا، زکوٰۃ دیا، صدقہ ادا۔ کیا قسم ہے اپنی عزت وجلال کی ! میں آج تم کو خوش کردوں گا۔ اور جتنا آرام و آسائش میں نے تمہیں دنیا میں دے رکھا تھا اس سے کہیں زیادہ آخرت میں دوں گا تم نے دنیا میں بھی آرام کیا اور آج بھی آرام کروگے اطمینان سے رہوگے۔ اس لیے کہ تم میری محبوب ترین مخلوق ہو تمھارے ذریعہ سے میرے بہت سے بندوں نے پرورش پائی اور تمھارے مال سے میری خوشنودی کے موافق بہت ہی بڑا بڑا کام انجام پایا، بڑے بڑے علما و فضلا تمھارے روپیوں کی بدولت پیدا ہوئے جنہوں نے میرے دین کو پھیلایا علوم کو سکھایا اسلام کا چراغ روشن کیا گمراہوں کو بچایا بھولے ہوؤں کو راستہ دکھایا۔ بیشک تم نے اپنے پاک مالوں سے مسجدیں، مدرسے، مہمان سرائے، مسافر خانے، خانقاہیں، تالاب و نہریں بنا کر میرے بندوں کو بہت آرام پہنچا کے اپنا حق ادا کیا اور روپیہ پیسے کو جائز مصرف میں خرچ کیا۔ لہٰذا آج میں بھی تمھارے ساتھ ویسا ہی احسان کروں گا جیسا تم نے میرے بندوں پر کیا اور اے بخیلو، کنجوسو، زکوٰۃ نہ دینے والو صدقات کو روکنے والو !آج تمھارا حشر نہایت دردناک ہوگا، تم نے روپوں پیسوں اور سونے چاندی کو اس طرح گاڑ کے رکھا تھا جیسے وہ ہمیشہ تمھارے پاس رہنے والا تھا۔ او سرکشو ! میں نے تم پر جو اپنا فضل کیا،، تمہیں امیر و مالدار بنایا، کسی کا محتاج و دست نگر نہیں کیا تو کیوں ؟ صرف اسی لیے تو کہ تم ان نعمتوں کو انتظام سے رکھو، ان کا شکریہ ادا کرو اور میرے ان غریب بندوں کو جو ہر طرح محتاج اور پریشان تھے، ان دو، ان کی پریشانیوں کو دفع کرو اور خود بھی کھاؤ پیو عیش کرو۔ اگر میں ایسا نہیں کرتا اور تمھاری طرح سب کو دولت مند ہی بنا دیتا تو بتاؤ تمھارا کام کاج کون کرتا ؟ تم دولت مند کیسے کہلاتے تمھاری عزت و قدر کون کرتا ؟ مگر تم نے میرے اس احسان کو دیکھا نہیں اور سمجھا کہ ہم نے اسے اپنے قوت بازو سے حاصل کیا اور حکمت عملی سے جمع کیا ہے اس میں کسی کو کوئی دخل اور کسی کا کچھ حق نہیں ہے۔ حالانکہ

تمھارا یہ خیال غلط تھا۔ تم نے ان مالوں کو نہ تو حکمت عملی سے جمع کیا نہ قوت بازو سے حاصل کیا تھا بلکہ یہ فقط میری مہربانی اور میرا اکرم تھا کہ میں نے تمہیں اپنا خزانچی اور منتظم بنایا اور دولت و امارت دی تھی کہ تم میرے بتائے ہوئے مقدار و مصارف میں خرچ کرو اور باقی اپنے مصرف میں بغیر اسراف و تبذیر (فضول خرچی) کے لاکر عیش و آرام کرو۔ ورنہ تمھاری طرح بہت سے لوگ بلکہ بڑے بڑے عقل مند ہوشیار و دانا عالم اور فاضل دنیا میں دانے دانے کو محتاج تھے۔ کیا انھیں عقل نہیں تھی یا وہ روپیہ کمانا نہیں جانتے تھے؟ ہاں وہ سب کچھ جانتے تھے اور کرتے تھے لیکن نہیں ہوتا تھا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ہم نے نہیں دیا تو نہیں ہوا۔ اور تم کو دیا تو تم نے پایا۔ ہم نے تمہیں اصول تجارت بھی بتائے اور نوکریاں بھی دیں۔

چنانچہ کسی کو ملک التجار (تاجروں کا بادشاہ) و سیٹھ بنایا۔ کسی کو جج کلکٹر بنایا، کسی کو قاضی و مفتی کا عہدہ بخشا اور کسی کو وزیر و امیر کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ غرض پیادے سے لے کے بادشاہ تک کو حسبِ حیثیت ہم نے دولت دی اور آمدنی کی معقول صورتیں بتادیں۔ زمین داروں اور کاشت کاروں کو بھی اناج و غلہ دے کر اپنی شان رزّاقیت کا مظہر بنایا لیکن تم سبھوں نے میرے غریب بندوں کو دھوکا دیا لیکن در حقیقت تم نے انہیں دھوکہ نہیں دیا۔ بلکہ خود تم دھوکے میں پڑ گئے اور اپنے کو گڈھے میں گرادیا۔ تم نے ہر طرح سے دولتیں کمائیں، روپے جمع کیے لیکن غریبوں فقیروں پر احسان کرنے کے بجائے تم نے ان کی گردنیں مڑوڑیں، سود لیا اور ایک دیا دو وصول کیا دو دیا چار لیا۔

غرض ہر جائز و ناجائز طریقے سے تم نے خوب مال و دولت جمع کیا مگر میری راہ میں تم نے ایک حبہ (دانا) بھی نہیں دیا۔ اور زکوٰۃ و صدقات سے نہ تو میرے بندوں کو نوازا اور نہ میرے دین کی مدد کی بلکہ ایسے ایسے اسلامی موقعوں پر تم ایسے غریب

بن گئے جیسے گھر میں کھانے کو بھی نہیں۔ اور جب کبھی ہمارا کوئی نیک بندہ قوم کا ہمدرد تمھارے پاس پہنچ کر امداد کا طالب ہوا، قوم و مذہب کی فلاح و بہبود کی صورتوں کو لے کر تمھارے پاس آیا اور کچھ روپیہ پیسہ اس نے تم سے مانگا تو ہزاروں قسم کے تم نے حیلے حوالے کیے، سیکڑوں ضرورتوں کو دکھایا، لاکھوں نقصانوں کو بتایا بلکہ اکثر و بیشتر اگر کوئی بیچارہ مولوی و طالب علم یا اور کوئی غریب مسافر تمھارے پاس گیا تو اسے دور ہی سے ڈانٹ پھٹکار کر نکال باہر کیا۔ اگر زیادہ بڑھے تو مکار و دغا باز کہنے کے علاوہ دو چار صلواتیں بھی سنا دیں یا اگر شرما شرمی میں دیا بھی تو دو چار بات کہہ کے اور احسان جتلاتے ہوئے دیا۔

کیوں؟ میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ۔ اگر تمہیں میری ذات اقدس پر امکان کذب کا شبہ ہو تو اے بے ایمانو! دونوں فرشتوں (کراماً کاتبین) سے پوچھ لو جو تمھارے اوپر نگہبان تھے۔ تمھاری ہر باتوں کو دیکھتے سنتے اور لکھتے تھے۔ اور اپنا اپنا اعمالنامہ دیکھ لو۔ اس میں تمھاری ہر کھلی چھپی چھوٹی بڑی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ تو جھوٹ نہیں اور ان فرشتوں نے تو جھوٹ نہیں لکھ دیا ہے۔ نالائقو! دنیا میں جو تمہیں ذرا سی دولت مل گئی تو بس تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہمچو من دیگرے نیست۔ (ہماری طرح کوئی دوسرا نہیں ہے)۔ اور اسی خام خیال نے تمہیں ایسا مغرور و متکبر بنایا کہ غریبوں، محتاجوں کو دینا لینا تو در کنار انھیں اور بھی حقیر و ذلیل سمجھنے لگے اور انھیں ذلت و حقارت کے ساتھ ٹھکرا کر اپنے عیش و آرام میں مست رہے۔ بے وقوفو! تم اپنے اس گھمنڈ اور خام خیالی کی بدولت خود بھی ڈوبے اور دوسروں کو بھی جو تمھاری خوشامدیں کیا کرتے تھے، تمھاری محبت کا دم بھرا کرتے تھے، دن رات تمھاری الفت کا راگ الاپا کرتے تھے اور جھوٹی تعریفیں کر کر کے تمھارا دماغ فلک الافلاک (ساتویں آسمان) پر پہنچا دیا کرتے تھے، ان کو بھی لے ڈوبے تم ان لچّوں اور شُہدوں (لچّے لفنگے اور بدمعاش قسم کے لوگ) کی بدولت خراب ہوئے

۔ وہ تمھارے روپیوں اور نوازشوں کی وجہ سے برباد ہوئے ۔ تم ان کی صحبت میں دن رات تاڑی ، شراب پیا کرتے تھے ۔ رنڈیوں اور کسبیوں کے مجرے سنا کرتے تھے ۔ تاش کھیلا کرتے تھے ۔ شطرنج کی چالیں چلا کرتے ۔ غرض دنیا کے سارے برے کاموں میں روپے کو پانی کی طرح بہاتے رہتے تھے ۔ مگر دینی امور (کام) میں تمھارا قدم سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ تھیٹروں ، بائسکوپوں، سنیماؤں اور ناٹکوں میں تم روپیہ کور وپیہ نہیں سمجھتے او بخالت نہیں کرتے تھے ۔ لیکن مسجدوں کی تعمیر، مدرسوں کی بقا و حفاظت ، غریبوں کی امداد و حمایت اور محتاجوں کی حاجت روائیوں کے واسطے تمھارے ہاتھ شل ہو جاتے تھے ۔ تم مفلوج اعضا کی طرح سست و ڈھیلے پڑ جاتے تھے ۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اور تیوہار کے ناجائز رسموں میں ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں روپیے تم نذرِ آتش کر دیا کرتے ۔ آگ لگا دیتے تھے ۔ لیکن جب قوم و مذہب اور ملک و ملت کی حمایت اور حفاظت کے واسطے تم سے چندہ طلب کیا جاتا اور واجبی زکوۃ مانگی جاتی تھی تو تمہیں شاق گذرتا تھا، بوجھ معلوم ہوتا تھا۔ تمھارے سینے میں آگ لگ جاتی تھی اور تم ایسے موقعوں پر ایسی لمبی تان کر سو جاتے تھے ، جیسے تمہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ تمہیں اپنے عیش سے مطلب تھا۔ آرام سے کام تھا۔ مذہب کی دھجیاں اڑائی گئیں تو تمھاری بلا سے ،قوم و ملت برباد ہوئی تو تمھاری بلا سے ۔ مسجدیں ویران کی گئیں ۔ قرآن روندے گئے ، مسلمان ایمان سے خارج کیے گئے ، ان پر بے گناہ گولیاں چلائی گئیں ، ان کی بیوی بچے لونڈی غلام بنائے گئے ۔ مگر تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا، تمھاری پاپوش کو بھی خبر نہیں ہوئی، تمھارے کانوں پر جُوئیں تک نہیں رینگیں کوڑی پیسے سے نہ سہی دو بھلی بات ہی کہہ کر تو ان کی دلجوئی کرتے ۔ افسوس !افسوس تم نے ساری دولت کو اسراف بے جا میں تباہ و برباد، ضائع و رائگاں کر دیا اور آخرت کے واسطے کچھ نہیں لائے ۔ لہٰذا آج اگر ان جرموں کی پاداش میں اور ان بیواؤں یتیموں غریبوں محتاجوں

اور فقیروں کی بددعاؤں اور آہوں کے بدلے جن کا حق تمھارے خزانوں روپیوں پیسوں بھیڑ اور بکریوں گایوں بھینسوں اونٹ اور گھوڑوں پر پہنچ چکا تھا۔ تمھارے سونے چاندیوں روپیوں پیسوں کو جہنم کی آگ میں گرم کر کر کے تمھاری پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغ دیا جائے گا اور تمھیں ایک چٹیل میدان میں لٹا کر تمھاری مویشیوں بھیڑ اور بکریوں سے جن کی زکوٰۃ تم نے نہیں نکالی تھی، روندوا دیا جائے اور ان کی سینگوں و سُموں سے تمھاری تکا بوٹی کرادی جائے تو میرا عین انصاف ہوگا۔ ظلم نہیں، بجا ہوگا۔ بیجا نہیں، عقل کے موافق ہوگا۔ اتنا کہنا تھا کہ فرشتوں نے ان امراء اور اغنیاء کو جو دنیا میں بڑی شیخیاں بگھارا کرتے تھے، مفلسوں محتاجوں کو دیکھ کر جلا کرتے اور چیں بجبیں ہوجایا کرتے تھے۔ زکوٰۃ ادا کرنے میں پہلوتہی کیا کرتے تھے اور خدا کی راہ میں کانی کوڑی اور لنگڑی بکری بھی نہیں دیا کرتے۔ (فرشتے ان امراء و اغنیاء کو) پچھاڑ پچھاڑ کر ان کے پیشانیوں اور پہلوؤں پر داغ دینے لگے۔ فصدق قولہ تعالیٰ: والذین یکنزون الذھب و الفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ٥ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم ھذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون.

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہ جمع کر کے رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے انھیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر داغے جائیں گے۔ اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں) اور مال زکوٰۃ شجاع اقرع سانپ بن کر ان کے گل پھڑوں کو پکڑ پکڑ کر کہنے لگا کہ میں تیرا مال ہوں۔ تو نے مجھے بڑی بخالت سے جمع کیا اور مجھے خوب چھپا کر رکھا تھا۔ حالانکہ تو جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ خداوند قدوس نے نہایت ہی برا بتایا ہے اور صاف لفظوں میں بیان فرمادیا ہے کہ۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما

اٰتٰهم الله من فضله هو خيرا لهم بل هوشرلهم سيطوقون مابخلو به يوم القيٰمة.

ترجمہ: خداوند قدوس کی دی ہوئی نعمتوں کے ساتھ بخالت کرنے والے ہرگز یہ نہ سمجھ لیں کہ بخالت ان کے لیے کچھ بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے نہایت ہی بُری ہے۔ عنقریب قیامت کے روز انھیں اسی چیز کا طوق پہنایا جائے گا جس کے ساتھ انھوں نے بخالت کیا تھا۔

پھر بھی تو نے اس قول خداوندی کو بھلادیا،اِس سے اعراض کیا۔چنانچہ اس کی سزا آج کے دن کہ مقدار اس کی پچاس ہزار برس کی ہے بھگت اور چکھ، جب تک خداوند قدوس اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ نہ کرلے۔اس بعد وہ مختار ہے تجھے وہ بخش دے یا اور عذاب کرے۔ یہ حشر توان کا ہوا جو لوگ روپیہ پیسہ سونا چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے۔ لیکن جن لوگوں نے مویشیوں اور چوپایوں کی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی۔ انھیں ایک چٹیل میدان میں لٹا دیا گیا اور بے سینگ کے جانوروں نے انھیں سونڈ اور ٹاپوں سے روندنا شروع کیا اور سینگ دار جانور سینگ مارنے لگے۔ وہ جانور جو کہ دنیا میں ہی کمزور جانور تھے یا جن کی سینگ ٹوٹی ہوئی تھی یا لنگڑے یا چھوٹے بچے تھے۔ سب کے سب توانا و تندرست و سینگ والے ہوکر ایک طرف سے انہیں مارتے روندتے چلے جاتے تھے۔ جب آخر والا گذر جاتا تھا تو پھر دوسری طرف سے انہیں مارنا اور روندنا شروع کرتے تھے۔ غرض زکوٰۃ نہ دینے والے کو قیامت کے دن بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان پر نہایت ہی دردناک عذاب نازل ہوگا۔

میدان قیامت کا چوتھا فریادی

حج

زکوٰۃ کا معاملہ طے ہونے کے بعد حج نے خداوند رب العزت جلّ جلالہٗ کی تعریف و توصیف اور تسبیح و تقدیس کے بعد یوں عرض کیا کہ اے مالک دو جہاں و اے خالق کون و مکاں! میرے مدعا علیہ بھی یہی امراء و اغنیاء صاحب استطاعت روپے پیسے والے ہیں۔ تو نے مجھ کو بھی دولت مندوں اور امیروں ہی کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ انہوں نے میرا حق ادا نہیں کیا۔ ہاں! تیرے تھوڑے سے بندوں نے البتہ مجھے اپنے اوپر فرض سمجھا اور کما حقہ مجھے نوازا لیکن اکثروں نے مطلقاً میری طرف خیال بھی نہیں کیا۔ یا اگر دیکھا دیکھی شرما شرمی انہیں اس بات کا احساس بھی ہوا تو آج کل میں ٹال دیا اور ہمیشہ مجھ سے پہلو تہی اور حیلہ حوالے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ موت کی نیند آگئی۔ خداوند عالم! تو جانتا ہے کہ یہ اپنے اپنے کاموں میں نہایت ہی چست و چالاک تھے۔ تجارت و سیاحت کے لیے دور دراز ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ روزی کی تلاش میں اور روپیہ بٹورنے کے لیے ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔ علم دنیا حاصل کرنے کے لیے خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی لندن، امریکہ، چین جاپان، ایران توران غرض ہفت اقلیم اور دنیا جہان کی نزدیک و دور مسافتوں کو ایک کر دیتے تھے مگر سفر حج کا نام سنتے ہی انہیں سرسام ہو جاتا اور بخار آجاتا تھا۔

خداوندا! آج تیرے آگے سب کے سب حاضر ہیں۔ اب تو خود ان لوگوں سے سمجھ لے اور حاجیوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ خداوند ذوالجلال والاکرام نے حج کی زبانی صاحب دولت و ثروت کی بے ایمانی کو سنا اور کہا کہ میں جانتا ہوں اور خوب اچھی

طرح جانتا ہوں کہ جب میں ان کو صاحب استطاعت بنا دیتا اور حج فرض ہو جاتا تھا تو انہیں دنیا کی غرض سے تو نہیں، ہاں میری رضامندی کے لیے سفر کرنے میں نزاکت آجاتی اور تکلیف ہوتی تھی۔ ہزاروں کاروبار نکل آتے تھے۔ جس کی وجہ سے گھر چھوڑنا اور سفر کرنا محال ہو جاتا تھا۔ کیوں جی؟ تم ٹالنے کے لیے نہیں کہتے تھے کہ اس سال لڑکے بالوں (بال بچے کی شادی وغیرہ دیکھ لوں معلوم نہیں پھر وہاں سے لوٹ کر آسکوں گا یا نہیں۔ پھر دوسرے سال دوسری ضرورت کا بہانہ کرکے کہتے تھے کہ جہاز پر سوار ہونے سے مجھے چکر آتا ہے۔ سمندر کو دیکھ کر میرا دل الٹ جاتا ہے۔ سفر میں بڑی تکلیف و مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ اب کون جائے، آئندہ سال دیکھا جائے گا۔ امسال روزگار بہت چلا ہوا ہے غرض ہر سال کچھ نہ کچھ حیلہ حوالہ کرکے یوں ہی رہ جاتے تھے اور مرتے دم تک ایسا ہی کرتے رہے اور سفر حج کے لیے روانہ نہیں ہوئے۔

بے ایمانو! یہ تو بتاؤ کہ دنیا کمانے کے لیے تم جو سفر کیا کرتے تھے۔ ریلوں اور جہازوں پر دوڑتے پھرتے اور ہوائی جہازوں پر اڑتے پھرتے تھے۔ اس میں تمھیں چکر نہیں آتا تھا۔ ضرر نہیں پہنچتا تھا۔ نقصان نہیں ہوتا تھا۔ مر نہیں جاتے تھے۔ یا اگر فرض کر لیا جائے کہ تم سفر نہیں کرتے تھے۔ جہاز پر نہیں چڑھتے تھے۔ تمھیں عادت نہ ہونے کی وجہ سے چکر آجاتا تھا اور آنا چاہیے۔ مگر یہ بات تمھارے ساتھ تو مخصوص نہیں تھی میرے اور دوسرے امیر سے امیر نازک سے نازک بندے بھی تو تھے جو تم سے کہیں زیادہ امارت و نزاکت والے تھے۔ انھوں نے میرے اس فرض کو ادا کیا، انہیں چکر بھی آیا، بیہوشی بھی انھوں نے قے بھی کیا، بیمار بھی پڑے پھر بھی میری بندگی میں ثابت قدم رہے۔ میرے حکموں کی تعمیل سر آنکھوں سے کرتے رہے۔ کیا تم ان سے بھی زیادہ نازک اور کمزور تھے؟ ہرگز نہیں۔ یہ فقط تمھارا حیلہ حوالہ تھا اور کچھ نہیں تم نے صرف روپیہ بچانے اور کمانے کے خیال سے حج کو ٹال دیا اور آج کل آج

کل کرتے کرتے مر گئے۔ لہٰذا آج اس کی پاداش میں تمھارا حشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوگا اور انہیں کے عذاب میں تم بھی گرفتار ہوگے۔ چنانچہ فرشتوں نے ان مردوں اور عورتوں کو جو باوجود مستطیع (طاقت و استطاعت رکھنے والا) ہونے کے حج نہیں کرتے تھے انہیں گروہ یہود و نصاریٰ میں ملا دیا۔

زانی مرد اور زانیہ عورتوں کا دردناک انجام

ان چاروں فریادیوں کے چلے جانے کے بعد وہ لوگ آئے جن کی شرم گاہوں سے سخت بدبو اڑ رہی تھی اور تعفّن پھیلا ہوا تھا۔ یہ مرد و عورت لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تھے۔ ان کے بدنوں پر نہایت موٹا موٹا آگ کا بدبودار کپڑا پڑا ہوتھا کہ اس کی بدبو سے تمام محشریوں کا دماغ پھٹا جاتا تھا۔ ان کی شرم گاہوں میں آگ کے انگارے بھرے جاتے تھے، اور پیپ و لہو اور کیڑے مکوڑے اس سے نکلتے تھے۔ غرض یہ لوگ نہایت دردناک عذاب اور سخت تکلیف کے ساتھ لائے جا رہے تھے۔ عذاب کے فرشتے ان پر مسلط ہنکاتے ہوئے اس حال میں ان کو خداوند قدوس کے سامنے لائے جب کہ خداوند قدوس کے قہر و غضب کا دریا جوش پر تھا۔ فرشتوں نے کہا: خداوندا! یہ لوگ زناکار مرد و عورتیں ہیں یہ کم بخت مرد پرائی عورتوں کے ساتھ بدفعلیاں کر کر کے خوش ہوا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر یہی حرکت ان کی ماؤں بہنوں کے ساتھ کوئی کر لیتا تھا تو یہ اس کے خون کے پیاس ہو جاتے تھے۔ اور اپنے واسطے اس کو ذلت اور مُوجبِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ لیکن دوسروں کی عزت لوٹنے میں انہیں کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ عورتیں ناجائز طور پر غیر مردوں کے پاس جایا کرتی تھیں اور اپنی عزت و عصمت کو جسے تو نے ان کے واسطے ایسا زیور بنایا تھا کہ اس پر اگر کائنات کی ساری چیزوں کو بھی قربان کر دیا جاتا تو بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس عزت و عصمت کو یہ نالائق عورتیں خاک میں ملایا کرتی تھیں۔

خداوند عالم نے یہ سن کر ان زانی و زانیہ مرد عورتوں کو قہر و غضب کی نگاہ سے دیکھا جس سے ان کے چہرے بگڑ کر سُور کے مانند ہو گئے اور ان کے بدنوں میں آگ لگ گئی اور فرشتے انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے چلے۔ وہ روتے چلاتے اور فریاد وفغاں کرتے تھے۔ مگر ان کی فریاد کوئی نہیں سنتا تھا۔ بلکہ اور بھی اس کے رونے چلانے پر فرشتے عذاب کرتے تھے اور کہتے تھے: نادانو! اب رونے دھونے کا وقت نہیں ہے، وقت گذر گیا اور تم خداوند رب العزت کے فرمان: لاتقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبيلا.

ترجمہ: (یعنی تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ بیشک وہ بڑی بے حیائی اور برا راستہ ہے) کو بھلا کر طرح طرح کی بے حیائیاں اور سیہ کاریاں کرتے رہے، جس کا یہ نتیجہ ہے۔ اب اس وقت نہ تمھارا رونا کام آئے گا اور نہ فریاد کرنا اور مارتے پیٹتے فرشتوں نے ان کو جہنم میں ڈھکیل دیا۔

شراب خواروں اور جُواریوں کا بیان

اس کے بعد دوسرا گروہ نمودار ہوا کہ ان کے چہرے جھلسے ہوئے تھے۔ ان کی زبانیں سینوں پر لوٹتی تھیں اور زبانوں سے پیپ اور لہو بہ رہے تھے اور ان کے کاندھوں پر بڑے بڑے پہاڑ جیسے آگ کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ جس کی بوجھ سے وہ منہ کے بل گرتے پچھڑتے چلے جاتے تھے۔ ان کے گلوں میں لعنت کا طوق پڑا ہوا تھا اور وہ نہایت دردناک عذاب میں مبتلا تھے۔ چنانچہ فرشتے انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے اور کوڑوں سے مارتے ہوئے حضور رب العزت میں لائے اور ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دے کر احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا کر دیا۔ مالک حقیقی اللہ رب العزت نے ان سے حساب و کتاب میں مناقشہ (بحث اور گفتگو) شروع کیا اور فرمایا کہ اے

نالائقو! میں نے تمہیں دنیا میں ہر طرح کا آرام دیا تمھاری روزی روزگار میں برکت دی، روپیہ پیسہ دیا کہ سُکھ سے رہو، آرام سے زندگی بسر کرو، چین سے جیو، اطمینان سے گذر کرو، ہوش حواس سے کام لو اور تم سے یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو دنیا میں اس طرح رہنا جیسے سرا (مسافر خانہ) میں مسافر اور ہماری کسی نعمت کو غفلت میں کھو نہیں دینا۔ خاص کر سمجھ اور عقل جو ہماری سب سے بڑی اور مہتم بالشان نعمت ہے اس کو نجس اشیا میں ملا کر خراب نہ کر دینا۔ تاڑی شراب و دیگر مُنکرات (ناجائز و حرام کام) جوام الخبائث دام الجرائم ہیں ان کا استعمال ہرگز ہرگز نہیں کرنا اور صاف صاف اپنی کتاب میں کہہ دیا کہ: یایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون.

ترجمہ: اے ایمان والو شراب اور جوابت اور پانسہ یہ سارے کے سارے ناپاک اور شیطانی کام ہیں ان چیزوں سے پرہیز کرتے اور بچتے رہو تاکہ تم فلاح و بہبودی پاؤ۔

ذرا دیکھو تو میں نے ان چیزوں سے بچنے کی کتنی تاکید کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے محبوب کی زبانی بھی کہلا دیا کہ خبردار خبردار! اس کو بھول کر بھی منہ سے نہیں لگانا۔ اس کو خریدنا بیچنا اٹھانا اور لے جانا تو درکنار اس کے پاس بھی نہیں بھٹکنا ورنہ ہماری یہ انمول و بے بہا نعمت کھو جائے گی۔ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ پھر اس وقت تم طرح طرح کی بدمعاشیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپس میں لڑائی جھگڑا مار پیٹ گالی گلوج کرنے لگو گے اور اخروی فلاح و بہبود سے محروم ہو جاؤ گے۔ اسی طرح جوئے کی وجہ سے تم میں بے جا حمیت و ہٹ دھرمی اور چوری چکاری کی خراب عادتیں پیدا ہو جائیں گی اور تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی اور اس کے نقصان کو فائدہ اور اس عیب کو ہنر سمجھتے رہے۔ حالانکہ میں نے اس کے فوائد و نقصان کو بھی صراحت کے ساتھ ان الفاظ میں ظاہر فرما دیا تھا کہ: فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما.

یعنی شراب اور جوئے میں بہت بڑا گناہ اور نقصان ہے اگرچہ بظاہر تھوڑا سا فائدہ بھی ہے کہ تاڑی شراب بدن کو موٹا کرتی ہے۔ رنگ روپ کو نکھارتی ہے۔ فرحت و سرور لاتی ہے اور جوئے میں روپیہ پیسہ بغیر ہاتھ پاؤ ہلائے مل جاتا ہے ۔ منٹوں میں آدمی مالدار اور دولت مند ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا گناہ اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ شراب پی کر تم بدمست ہوجاتے ہو اور بیخود و خود فراموش ہوکر بہیمیت (حیوانیت)و بربریت (ظلم و زیادتی) کرنے لگتے ہو اور جوئے میں اگرچہ بظاہر تھوڑا سا مال مفت تم کو مل جاتا ہے۔ لیکن تم بھی تو کبھی ہار جاتے ہو۔ اثاث البیت (گھر کے سازوسامان) اور بیوی بچوں کے زیوروں کو بیچ کر فقیر بن جاتے ہو۔ حتی کہ بیوی بچوں کو بھی ہار جاتے ہو۔ پھر اس کے بعد چوری چکاری و دیگر مخرب اخلاق باتوں کے مرتکب ہوجاتے ہو۔ جو انسانیت کے لیے نہایت ہی نازیبا اور بری بات ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ: انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوة فھل انتم منتھون.

ترجمہ: بیشک شیطان کا تو ارادہ ہی یہ ہے کہ تمھارے آپس میں بغض اور عداوت شراب اور جوئے کے ذریعہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے اس واسطے کہ یہ چیزیں عقل کو زائل کر دیتی اور سمجھ پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ تو کیا تم اس سے باز رہو گے) غرض اب وقت نہیں، کہاں تک بیان کروں کہ میں نے تمہیں کس کس طرح ہر ایک بات کو کھول کھول کر سمجھا دیا تھا۔ اور اچھے برے میں بیّن اور صاف فرق بتا دیا تھا۔ مگر تم نے عقل و تمیز سے کام نہیں لیا کیا ہمارے اس نعمت کے دینے سے یہی مطلب تھا کہ تم جتھا باندھ کر اور ایک دوسرے کے ساتھ مل مل کر خوب پینا پلانا اور آپس میں لڑنا جھگڑنا۔ چھی چھی! تمہیں شرم نہیں آتی تھی کہ تم مسلمان اور خیر الامم ہوکر شراب خانوں میں جاتے، بھٹیوں پر مٹر گشتیاں کرتے۔ تاڑی خانوں میں گھس گھس کے

اور پی پی کر دھما چوکڑیاں بجایا کرتے تھے۔ خاص کر چیت بیساکھ میں تو اور بھی تم تاڑی پی پی کر کتّوں کی طرح بوکھلائے بوکھلائے پھرتے تھے۔ سچ بتاؤ تم میں اور کتوں میں کون سا فرق رہ گیا تھا۔ جس طرح کتّے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسی طرح تم بھی آپس میں لڑتے بھڑتے سر پھٹّول کرتے رہے۔ اے کتّو! جاؤ اور آج بھی جہنم کی آگ میں جلتے رہو اور پیپ و لہو پی پی کر اچھلتے رہو۔

نوحہ کرنے والی عورتوں کا حشر

تاڑی شراب اور جوا پانسہ کھیلنے والوں کے بعد کچھ ایسی عورتیں نکلیں کہ آگ کے کپڑے پہنے ہوئی تھیں اور سر کے بالوں کو نوچ کھسوٹ رہی تھیں اور اپنے سینوں کو جہنم کے ہتھوڑوں سے کوٹ رہی تھیں اور ان کے سامنے ایک میت عذاب میں گرفتار پڑی ہوئی تھی۔ خداوند عالم نے ان نوحہ کرنے والیوں کو دیکھا اور غضب ناک ہو کر فرمایا کہ او نادان و نالائق عورتو! میں نے تمہیں اپنے حبیب کی زبانی کہلا نہیں بھیجا تھا کہ دیکھنا خبر دار کسی کے مرنے پر چیخنا چلّانا نہیں، گریبان کے ٹکڑے نہیں کرنا، سر و سینوں کو مت نوچنا اور کوٹنا، صبر سے کام لینا۔ دل ہی دل میں غم کرنا اور آنسو بہانا بے صبری اور ماتم کا بھول کر بھی نام نہ لینا۔ اس لیے کہ وہ ہماری چیز تھی ہم نے اسے دنیا میں بھیجا تھا جب تک ہم نے چاہا زندہ رکھا، چلایا پھرایا کھلایا پلایا پہنایا اوڑھایا۔ پھر جب ہم نے چاہا کسی کو بچپن میں کسی کو جوان کر کے اور کسی کو بڑھاپے کے بعد اپنے پاس بلا لیا۔ یہ تو ہمارے باغ دنیا کے پھل پھول تھے۔ کچا پکا جیسا تھا۔ جب ہم نے چاہا توڑ لیا۔ پھر اس میں تمھارا بگڑتا کیا تھا؟ تم کیوں اپنا منہ نوچ کھسوٹ کرنے لگتی تھیں؟ مانا کہ تمھارے دل میں ان کی محبت تھی اور ہونی چاہیے۔ لیکن نہ اتنی جتنی تم بیان کرتی تھیں۔ اب اس وقت تم اسی عذاب میں مبتلا رہو جو تمہیں دنیا میں پسند اور اچھا معلوم ہوتا تھا۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کا الم ناک انجام

اس کے بعد کروڑوں مرد و عورت نمودار ہوئے کہ ان کے چہرے سُور کی طرح تھے۔ منہ سے انگارے اور بدبو اڑ رہی تھی۔ اور فرشتے مارتے پیٹتے موقف (میدانِ محشر) کی طرف لارہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ او بے ایمانو! تم نے جھوٹی گواہیاں دے کر لاکھوں غریبوں کا نقصان کرادیا۔ ہزاروں کو ناحق پھانسی پر لٹکوادیا۔ جیلوں میں بھیجوادیا۔ ان کے بچوں کو دانے دانے کے لیے محتاج کرادیا۔ شرم نہیں آتی تھی جب تم درباروں میں لوگوں کے سامنے جھوٹی گواہی دیتے اور فریب کاریاں کیا کرتے تھے۔ چلو آج خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنا اور بچ جانا۔ جھوٹی گواہی دینے والے اپنے سُور جیسے مسخ شدہ چہروں کو اور منہ سے انگارے اور بدبو اڑتا دیکھ کر روتے تھے۔ مگر افسوس! وقت گذر چکا تھا اور ان کا رونا چِلاّنا کچھ کام نہیں آتا تھا۔

سُود خوروں کا دردناک انجام

ان کے پیچھے بہت سے مرد عورتوں کا غول نکلا کہ ان کے پیٹ سُوج سُوج کر بڑے بڑے پہاڑ کے مانند ہوگئے تھے۔ اور اس میں آگ و سانپ و بچھو بھرے ہوئے تھے۔ ان کی صورتوں پر پھٹکار پڑ رہی تھی۔ اور چہروں پر لعنت کی بوچھار۔ پیٹ کی بوجھ سے جب وہ کھڑا ہونا چاہتے تھے تو نہیں ہوسکتے تھے۔ اور بہ ہزار خرابی و دشواری اگر کھڑے بھی ہوتے تو فوراً منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ زبانیہ کے فرشتے انہیں آگ کے کوڑوں سے مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے نالائقو اور بے ایمانو! اسی بل بوتے پر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کی ٹھانی تھی اور خدا کی مخلوق کا خون چوس چوس کر اپنے بدن کو موٹا بنایا تھا۔ اور باوجود فرمان واجب الاذعان: یایها الذین اٰمنوا اتقوالله و ذروامابقی من الربوٰ فان لم تفعلو فاذنوبحرب من الله ورسوله.

ترجمہ: اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سود لینا دینا چھوڑ دو پس اگر تم سود بیاج ترک نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے تم دیدہ دلیری سے کام لیتے اور خرید و فروخت کی طرح سود کو شیرِ مادر (ماں کا دودھ) سمجھتے اور اس کے جواز کی صورتیں من گھڑت فتوؤں سے بے موقع و بے محل بھی نکالا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ سود خور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ نکل نکل کر پیش پروردگار پہنچے۔ مگر خداوند رب العزت نے بے انتہا غیض و غضب میں آکر ان کی طرف نظر بھی نہیں کیا اور جہنم میں لے جانے کا حکم صادر فرمایا اور ان کے ساتھ سود دینے والوں کو بھی عذاب ملا جو خود تو سود لینا حرام سمجھتے تھے اور دینے کو جائز جانتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ جہنم میں جھونک دیے گیے۔

لواطت کرنے والے لونڈوں کا حشر

نعوذ باللہ واستغفر اللہ! ان لوگوں کے بعد بہت سے لونڈے نہایت بدصورت بدصورت نکلے جن کی پیشانیوں پر یئسون من رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے ناامید لوگ) لکھا ہوا تھا۔ العیاذ باللہ! ان کے شرم گاہوں سے ایسی سخت تعفن اور بدبو پھیلی ہوئی تھی کہ محشریوں کے ناک میں دم آرہا تھا اور دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ان لونڈوں کے ساتھ کچھ بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ جو نہایت ہی دردناک عذاب میں مبتلا تھے۔ وہ لونڈے روتے اور فریاد کرتے تھے کہ ہم پر ظلم کیا گیا ہے، ہم مظلوم ہیں۔ پروردگار عالم نے نہایت ہی غیض و غضب میں آکر ان سے دریافت کیا کہ تم پر کس نے ظلم کیا؟ اس پر ان لوگوں نے کہا: ہم پر ان مردوں نے ظلم کیا ہے۔ ہمارے ساتھ انھوں نے بدفعلیاں کی ہیں۔ ہمارا شہوت سے بوسہ لیا ہے اور ہمارے ساتھ لواطت کیا ہے۔ پروردگار عالم

ان بے حیائیوں کو سن کر اتنے غضب و جلال میں آیا کہ عرش عظیم کانپنے لگا، فرشتے تھرّا اٹھے، زمین اس غیض و غضب کو دیکھ کر ہلنے لگی اور ان حسین لونڈوں کا جو دنیا میں اپنی خوبصورتی کی قدر نہیں کرتے تھے اور حسن فروشی کیا کرتے تھے۔ اور اپنی عزت و آبرو کو دیدہ و دانستہ آواروں اور شُہدوں (لچّے لفنگے اور بدمعاش لوگ) سے مل مل کر برباد کیا کرتے تھے۔ ان کا منہ سور کی طرح ہو گیا۔ اور ان کا خوبصورت پھول سا چہرہ بالکل مسخ اور سیاہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ان لوگوں کا بھی جو ان کے ساتھ بدفعلیاں کیا کرتے تھے اور ان کی ناپاک محبتوں کا دم بھرا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ وہ کام کیا کرتے تھے جو عورتوں کے ساتھ بھی کرنا حرام تھا۔ غرض فاعل و مفعول دونوں ہی نہایت خراب اور زبوں حالت میں مبتلا ہو گئے اور ان پر ایسا ایسا عذاب کرتے ہوئے لوطیوں (لڑکوں کے ساتھ گندی حرکت کرنے والے) کے گروہ میں ملا دیا گیا کہ اب تک کسی پر ایسا عذاب نہیں ہوا تھا۔ اس عذاب میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ وہ عورتیں بھی تھیں جو آپس میں اس فعلِ شنیع (نہایت برا فعل) کی مرتکب ہوتی تھیں۔

مجلوقین کا انجام

اس گروہ کے گذر جانے کے بعد مشت زنی کرنے والے لوگ آئے۔ اعاذنا اللہ منہا: ان لوگوں کی انگلیاں حاملہ تھیں اور ان پر سخت عذاب مسلّط تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا میں جلق لگایا کرتے اور مُٹھ مار کر شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ موردِ عتاب بنے اور نہایت ذلت کے ساتھ جہنم میں ڈالے گئے۔

قرآن مجید کو فراموش کرنے والوں کا حشر

بعد ازیں ایک گروہ اور بھی نمودار ہوا کہ اپنے چہروں کو ناخنوں سے نوچ کھسوٹ رہا تھا۔ ان کی حالتیں نہایت خراب تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کی کوئی چیز

کھو گئی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ حفّاظ ہیں جنہوں نے قرآن مجید حفظ کر کے بھلا دیا تھا۔ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے۔ اور دنیاوی کاروبار میں منہمک رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے آج ان کی یہ درگت ہو رہی ہے۔ غرض اسی طرح ہر قسم کے مجرمین جو بلا توبہ مرے تھے صفوں سے نکل نکل کر آتے اور سزاؤں کو سنتے جاتے تھے۔ ان مجرمین میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو بہت دلیری سے کام لیتے تھے۔ اور اپنے گناہوں سے بالکل صاف مکر جاتے تھے۔ اور خداوند رب العزت کے سامنے بھی جھوٹ بولتے اور فرشتوں کے جھٹلانے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ لیکن وہ احکم الحاکمین و عالم الغیب ان کے منہ پر مہر لگا کر ان کے ہاتھوں پاؤں سے گواہی لے کر سزا کا حکم فرماتا تھا۔ اور بعض ایسے بھی تھے جو غلطی سے گناہ کے مرتکب ہوئے تو ضرور تھے۔ اور انھوں نے بڑا بڑا گناہ بھی کیا تھا۔ لیکن توبہ کر کے مرے تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آتا تھا۔ اور وہ غفور الرحیم اپنے بندے سے دریافت فرماتا تھا۔ اے میرے بندے! تونے دنیا میں کون سا کام کیا تھا۔ وہ مارے شرم کے گردن جھکا لیتا تھا۔ اور فرشتے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو گنا دیتے اور بڑے بڑے گناہوں کے متعلق چپ رہتے تھے۔ رب تبارک و تعالیٰ اپنے گنہگار بندے کو شرمندہ دیکھ کر خوش ہو جاتا اور فرماتا تھا کہ (جا) میں نے معاف کیا۔ اور اس کے قصور سے درگذر اور ہر ہر گناہ کے بدلے میں نے اسے ثواب عنایت کیا۔ چنانچہ اس مژدۂ جاں فزا کو سن کر وہ گنہگار بندہ خوش ہو کے سارے گناہوں کا اقرار کرنے لگتا اور پکار پکار کر کہنے لگتا تھا کہ پروردگار عالم! ابھی میرے اور بھی بڑے بڑے گناہ باقی ہیں جنھیں ان فرشتوں نے گنایا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس ادا کو دیکھ کر ہنس کے فرماتا تھا کہ جاؤ ہم نے تم کو بخش دیا جنت میں تمھارا بدلہ ملے گا۔ مختصر یہ کہ میدان قیامت میں ہزاروں قسم کے لوگ اچھے برے نظر آئے کہ ان کی حالت بیان کرنے کے لیے ہزاروں دفتر بھی ناکافی ہیں۔

البتہ بعض مشہور مشہور واقعات کا موقع سے اجمالاً ذکر ہوا اور بقیہ کا بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گا۔ فی الحال ایک اندھے گروہ کا حال اور رئیس المجرمین مسٹر ابلیس لعین کا لکچر سپرد قلم کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین دلچسپی سے پڑھیں گے۔

اللہ کے ذکر سے غفلت برتنے والوں کا انجام

میدان قیامت میں جہاں اور بہت طرح کے لوگ تھے وہیں ایک گروہ اندھوں کا بھی نظر آیا کہ بہت ہی خراب اور پریشان حالی میں مبتلا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیوں اس خرابی میں مبتلا ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی یاد اور وعظ و نصیحت و دین کی باتوں سے اعراض و روگردانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ اسی کی سزا ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے قرآن مجید میں بھی باین الفاظ بیان فرمادیا تھا۔

من اعرض ذکری فان له معیشة ضنکاونحشره یوم القیٰمة اعمیٰ قال رب لم حشرتنی اعمیٰ وقد کنت بصیراه قال کذالك اتتك اٰیٰتنا فنسیتها و کذالك الیوم تنسی.

جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے۔ اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ تو کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے کیوں اندھا اٹھایا۔ حلانکہ میں تو آنکھوں والا تھا۔ فرمائے گا یوں ہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو نے اسے بھلا دیا تھا۔ اور ایسے ہی آج تیری خبر کوئی نہیں لے گا) لیکن یہ لوگ اس کو بھول گئے تھے اور اندھے ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں یہ روز بد (برادن) دیکھنا پڑا۔ چنانچہ میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک آواز آئی کہ شیطان مع اپنی ذرّیات (آل واولاد، چیلے چپاٹے) کے آرہا ہے۔

شیطان کا نام سن کر میں نے بھی حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا کہ دیکھیں شیطان

کی صورت کیسی ہے اور اس کی ذریات کون لوگ ہیں۔ اور ادھر کافروں اور گنہگاروں نے شیطان کا نام سنتے ہی پکارنا شروع کیا کہ خداوندا! ہم لوگوں کو شیطان ہی نے بہکایا تھا۔ اور تیرے راستہ سے روک کر کفر و شرک اور گناہ میں مبتلا رکھا تھا۔ رب العالمین ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ چنانچہ یہ الزام دینے پر شیطان فوراً حاضر کیا گیا شیطان کے آتے ہی سب نے اس پر لعنت و ملامت شروع کی اور اس کو اپنا دشمن قرار دینے لگے۔ عزازیل یعنی مسٹر ابلیس علیہ اللعنہ (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نے جو ساری مخلوق کو اپنا مخالف دیکھا تو پروردگارِ عالم سے اجازت لے کر آگ کے تودے پر بیٹھ کے اپنی بریت (بے گناہی اور صفائی) میں ایک لمبا چوڑا لکچر دیا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مسٹر ابلیس عرف شیطان کا لکچر

شیطان نہایت ہی پرانا خرانٹ گرگ باران دیدہ (ماہر، تجربہ کار، آزمودہ کار) ہے۔ اس کی صورت اور اس کا حلیہ ناپاک بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ نہایت ہی قبیح (بد صورت) بھیانک شکل بے ڈھنگا لاغر اندام (پتلا دُبلا) تھا۔ اس کی صورت سے فتنہ فساد کے آثا نمایاں تھے۔ اس کے ہاتھ پاؤں نہایت ہی پتلے پتلے اور لانبے لانبے (لمبے لمبے) تھے۔ اس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں۔ ایک زمین کی طرف ہر وقت جھکی ہوئی اور دوسری آسمان کی طرف دیکھنے والی۔ گردن کوتاہ، کان بڑے بڑے، سر پر دو سینگ، بال کانٹے کی طرح کھڑے کھڑے، دو بڑے بڑے دانت باہر کو نکلے ہوئے، رنگ بالکل سیاہ، سارا جسم بالوں سے ڈھکا ہوا، پھٹا ہوا دہانہ، پچکے ہوئے گال۔ غرض اس کی عجیب ہیئت اور بالکل نرالی صورت تھی۔ وہ باوجود یہ کہ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن سب سے اونچا معلوم ہوتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس نے یکایک جہنّمی قہقہہ لگایا۔ اور بھیانک تبسم کے بعد اپنا لکچر یوں شروع کیا کہ اے لوگو! اے

انسانو! عیسائیو، یہودیو، جینیو، پارسیو، ہندو، کافر، اگلے پچھلے، گورے، کالے، لال، پیلے، گنہگار، مرد عورتو، مخنثو، ہجڑو، خدا کے نافرمان بندے اور بندیو! آج تم سب کے سب میرے شاکی ہو کہ دنیا میں تمہیں میں نے ہی برے کاموں کی طرف مائل کیا اور برائی کی طرف لگایا۔ سبحان اللہ کیا کہنا! احرق ا لله افواھکم اللہ تمھارے منہ میں آگ لگادے۔ گناہ کیا تم نے مزہ اڑایا تم نے اور شکایت میری۔ سچ ہے:

شہر میں اونٹ بدنام سیدھے کا منہ کتا چاٹے

میرے عزیزو دوستو بزرگو بھائیو! سچ بتاؤ تو میں نے تمھارے پاس کبھی کوئی کتاب لکھ کر بھیجا تھا کہ تم اس کو پڑھ کر بہک گئے یا تم سے مل کر میں نے کبھی خدا کی نافرمانی کے لیے کہا تھا اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو کیا خداوند رب العزت نے تمہیں عقل نہیں بخشا تھا؟ سمجھ نہیں عطا کیا تھا؟ اور تمھاری ہدایت کے لیے پیغمبروں اور نبیوں کو نہیں بھیجا تھا جنھوں نے آکر تمہیں اچھے برے راستے کو بتادیا تھا۔ اور کیا خداوند قدوس نے تمھارے پاس اپنی کتاب نہیں بھیجی تھی؟ اور اس میں یہ نہیں بتادیا تھا کہ دیکھو یہ نفع کی بات ہے اور یہ نقصان کی۔ یہ راستہ سیدھا ہے اور یہ ٹیڑھا اور پھر اسی پر بس نہیں کیا۔ تم میں تمھارے علماء و اولیاء کو پیدا کیا جو تمہیں ہر نیک و بد سمجھاتے اور ہدایت و ضلالت کو بتاتے رہے تھے۔ اب ذرا غور کرو اور گریبان میں منہ ڈال کر سوچو کہ جب تمہیں اتنے اتنے سمجھانے والے تھے۔ تمھارے پاس آسمانی صحیفے اور کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ عقل و دانش سمجھ اور سوچ غور و فکر تمہیں عطا کیا گیا تھا۔ تو پھر بتاؤ کہ اتنے کے مقابلہ میں ایک اکیلا بھلا میں تمہیں کس طرح بہکا سکتا تھا اور تم کیسے میرے فریب میں آسکتے تھے؟ ہاں! اتنی بات ضرور تھی کہ تمھارے باپ آدم سے مجھے دشمنی تھی جس سے میں ایک بری بات کو آراستہ کر کے تمھارے سامنے پیش کر دیتا تھا۔ بس تم اس پر ٹوٹ پڑتے تھے اور باوجود اس کی خرابیوں کے جانتے ہوئے اور خدا اور اس کے رسول کے فرمان کے موجود ہوتے

ہوئے تم اس کے کرنے کے لیے جان و دل سے آمادہ و تیار ہوجاتے تھے۔ پھر اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور اگر کبھی میں نے کوئی بات کہی بھی تو اس کی خرابیوں کو دیکھنے اور جانچ پڑتال کے لیے ہزاروں چیزیں تھیں تم اس کی اچھائی برائی کو دیکھ سکتے تھے۔ تم دوسروں کے دھوکہ اور فریب آمیز باتوں کو تو ادنیٰ غور وفکر سے سمجھ لیتے تھے جس کی خرابی نہ کسی کتاب میں ہوتی تھی نہ کوئی تمہیں بتاتا تھا۔ اور محض ذرا سے غور و تامل سے اس کا سچ جھوٹ نفع و نقصان تم پر ظاہر ہوجاتا تھا لیکن یہاں تو صاف صاف میرے متعلق قانون لکھا ہوا تھا اور خدا نے کہہ دیا تھا کہ دیکھو شیطان کے دھوکے میں نہ پڑجانا۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا۔ رسول نے بتادیا تھا کہ دیکھو یہ شیطان ہے، راندۂ درگاہ مالک کون ومکان ہے۔ اس کی طمع سازیوں پر فریفتہ نہ ہوجانا۔ جو یہ کہے اس کے خلاف کرنا۔ اس کے علاوہ خداوند رب العزت نے تمہیں جوہری بنایا تھا اور عقل کی کسوٹی مرحمت فرمائی تھی۔ تم اس پر ہر کھرے کھوٹے کو پرکھ سکتے تھے۔

مگر افسوس! تم نے خدا اور رسول کی باتوں کو بھی نہ مانا اور نہ عقل و سمجھ ہی سے کام لیا۔ دوستو اور عزیزو! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا ایک اور واجب الوجود ہے اور وہی پوجنے کے لائق برحق معبود ہے۔ میں نے بھی اس کی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار برس تک عبادت و ریاضت کی ہے۔ کون سی جگہ اور زمین ہے جہاں میری جبین نیاز بارگاہِ خداوند بے نیاز میں نہ جھکی ہو۔ کونا کونا گوشہ گوشہ چپّہ چپّہ آسمان و زمین کا گواہ ہے کہ ہر جگہ میں نے سیکڑوں برس تک اس حیّ وقیوم کی پرستش کی ہے۔ یہی تو وجہ تھی اور اسی زبردست یقین اور فرماں برداری کا تو نتیجہ تھا کہ میں معلم الملکوت (فرشتوں کا استاد) کہلاتا تھا اور فرشتوں کو سبق پڑھاتا تھا۔ اور یہ سب کے سب جتنے فرشتے یہاں حاضر ہیں میری شاگردی کا دم بھرتے اور میرے آگے زانوئے ادب خم کرتے تھے۔ لیکن کیا ہوا صرف ایک نافرمانی و بے ادبی کے باعث اور اپنے کو تکبراً آدم سے بڑا جان کر

اس کے آگے نہ جھکنے کی بدولت میری ساری عبادت و ریاضت محض ایک آن میں رائگاں و برباد کردی گئی اور میرا یہ جرم ناقابل معافی قرار دے کر میرے گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر مجھے اس دربار سے نکال باہر کیا گیا اور میرے جتنے شاگرد تھے سب اسی ایک نافرمانی کے باعث میرے مخالف ہوگئے۔ مجھے نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ درحقیقت میں نے کام ہی ایسا کیا تھا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔ لیکن باوجود اس دربار سے نکل جانے کے میرا ایمان و اعتقاد خدا پر ویسا ہی تھا۔ جیسا پہلے تھا اور میں سمجھتا تھا کہ سوائے خدا کے حقیقی حاجت روا اور مرادیں پوری کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں نے چلتے وقت خداوند قدوس سے چند دعائیں مانگ لی تھیں، جنہیں خداوند عالم نے قبول بھی کرلیا تھا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ خدا پر میرا اعتقاد کتنا راسخ اور مضبوط تھا کہ مجھے باوجودے کہ کہا گیا کہ تم آدم کے آگے تعظیماً جھکو جس میں اس وقت کوئی حرج نہیں تھا لیکن میری خودداری اور غیرت نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ سر جو مدتوں تیرے آگے جھک چکا ہے، برسوں تیرے سامنے جبیں سائی کرچکا ہے، کسی غیر کے آگے جھکے۔ لیکن چونکہ میں نے ازراہ تکبر یہ الفاظ کہے تھے کہ:

خلقتنی من نار و خلقته من طین.

پروردگار! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے اور آگ کبھی مٹی کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ جس کا نتیجہ وہ ہوا جو تم نے سنا۔ خیر یہ تو میرا معاملہ تھا۔ میں نے نافرمانی کی، بے ادبی کی، تکبر سے کام لیا، نکالا گیا اور اس کی رحمت سے ناامید ہوا۔ لیکن تم نے کیوں اس کی نافرمانی کی؟ اس نے باوجودے کہ تم سے کہہ دیا تھا: وسجدو للہ الواحد القھار خدائے واحد و قہار کی پرستش کرو۔ مٹی اور پتھر کی مورتوں کو جس کے تم خود ہی بنانے والے ہو اور جو اپنے بدن پر سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتی ہیں۔ درخت اور سمندر کو جس کو اپنے نفع نقصان تک کا احساس نہیں ہے ہرگز ہرگز نہ پوجو، اس کے آگے عبادت کی

نیت اور تعظیم کے خیال سے کسی طرح بھی ماتھا مت ٹیکو۔ چاند اور سورج جو حدودِ معیّنہ سے باہر اور مقدارِ مقررہ سے زیادہ تجاوز نہیں کر سکتے، اس کو اپنا خالق و مالک مت سمجھ لو۔ مگر تم نے نہیں سنا اور ایک خدا کے ہوتے ہوئے سیکڑوں اور لاکھوں مخلوق کو اس کا مد مقابل ٹھہرا لیا، کیوں دوستو! یہ میں نے ہی کہا تھا؟ ہر گز نہیں۔ اس لیے کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں خدا کو ایک مانتا ہوں اور اس کے رسولوں کو بھی برحق سمجھتا ہوں۔ ہاں! میرا کام یہ ضرور تھا کہ صرف ایک راستہ کو جو خدا سے دور کرنے والا ہوتا اسے بتا دیتا تھا اور بس۔ لیکن کسی پر زبردستی نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایسا میں نے بہتوں کے ساتھ کیا اور بڑے بڑوں کو اپنا کرتب دکھایا لیکن جو لوگ عقل مند اور دور بین تھے۔ انھوں نے ہر گز میری طرف مطلقاً دھیان نہیں دیا اور ہمیشہ میرے کہنے کے خلاف کرتے رہے۔ مگر تم نے میرا ساتھ دیا، میرے کہنے پر چلے، میری آواز پر لبیک کہا۔ تو کیا میں تمہیں نکال دیتا؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ میری تو دلی خواہش تھی کہ تم بھی میرے ساتھ جہنم میں رہو، میرا ساتھ دو۔ کیوں کہ تنہا جہنم کے اندر میری طبیعت گھبراتی رہتی۔ اب بمصداق مرگ انبوہ جشنی دارد جب کہ تم نے میرا ساتھ دیا، میرے حکموں پر چلے تو آج بھی جہنم میں میرے ساتھ رہو اور مجھ کو لعنت ملامت نہ کرو۔ کیوں کہ یہ سب شرک و بت پرستی کفر و انکار، گنہ گاری و سیہ کاری جو کچھ بھی تم نے کیا صرف اپنے مزے کے واسطے۔ اس میں میرا کچھ بھی قصور نہیں: بل سولت لکم انفسکم امرا. بلکہ تمھاری خواہشات نفس نے تمھارے کاموں کو زینت دے دیا تھا۔ تو: "فلا تلومونی ولوموا انفسکم" مجھے ملامت نہ کرو، ملامت کرو اپنے نفسوں کو۔ اس لیے کہ اسی نے میرے راستہ اور طریقے کو تمھارے لیے زینت دے دیا تھا اور اے میرے فضول خرچ بھائیو بہنو! میں نے یہ رشتہ اپنی طرف سے نہیں جوڑا ہے بلکہ خداوند قدوس ہی نے میرے اس رشتے و ناتے کو تمھارے ساتھ جوڑ دیا ہے کہ: ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین.

یعنی فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ تو میں کیوں نہ کہوں کہ آج تم برادری والے بھی جب تم پر عذاب کی سختی برتی گئی تو مجھے لعنت ملامت کرنے اور مجھ پر الزام دھرنے لگے اور اس روز دنیا میں تم اپنی فضول خرچیوں پر کیسی کیسی خوشیوں کا اظہار کیا کرتے تھے۔ بالخصوص جب تمھارے کسی خویش واقارب کی شادی بیاہ چھٹّی چھلا مونڈروں ختنہ نیز دیگر خوشیوں کا موقعہ آتا تھا تو تم طرح طرح کے خیالی پلاؤ پکانے لگتے تھے اور ایسا مست و بیہوش ہوجاتے تھے کہ خدا اور رسول کا فرمان، عذاب و ثواب کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا اور اس وقت خوشی میں تم ڈھول باجہ، ناچ گانا، آتش بازی، گیت راگ، رنڈی منڈی، تاڑی شراب غرض کوئی ایسی بری چیز نہیں ہوتی کہ تم اس کو چھوتے اور کرتے نہ تھے۔ اور اگر خدانخواستہ تمھارے پاس روپیہ پیسہ نہ ہوتا تھا تو زر زمین گھر مکان بیچ بیچاکر زیور زیورات گروی رکھ کر یا اگر ہندوستانی غریب مسلمان تھے تو ماڑواڑیوں مہاجنوں سے سودی قرض لے کر طرح طرح کی فضول خرچیاں کیا کرتے تھے۔ تیر تیوہار کے موقعوں پر شادی بیاہ کی نمائش میں ہزاروں لاکھوں روپیہ آتش بازی میں دے کر آگ لگا دیتے تھے۔ ڈھول دھماکے میں ہوا پر اڑا دیتے تھے۔ کیوں بھائیو! یہ سب میرے واسطے کرتے تھے؟ یا اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے۔ ہاں ہاں! تم صرف اپنے نفسوں کو خوش کرنے کے لیے کیا کرتے تھے۔ بہر حال جب تم نے اپنے نفس کی خاطر ان برائیوں کا ارتکاب کیا تو آج بھی خوشی خوشی اس کے بدلے اس ذلت کو گوارا کرو اور مجھے الزام مت دو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ مجھ کو نہایت ہی دردناک عذاب ہوگا مگر یہ تمھاری وجہ سے نہیں بلکہ یہ میری اس نافرمانی و گردن تابی کا نتیجہ ہوگا جو میں نے آدم کے پیدائش کے وقت کی تھی اور تمھاری شکوہ شکایت سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے: لاتزر وازرۃ وّزر اخریٰ۔ کوئی گنہگار کسی دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہیں لعنت ملامت کرنے سے کیا فائدہ۔ ہاں! اے عورتو اور

میری خالاؤ اور بہنو! اس بھری محفل میں آج تم بھی مجھ کو ملامت کر رہی ہو۔ حالانکہ تمہیں بجائے اظہار غیض و غضب کے خوش ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ آج اپنے عزیز کے ساتھ جہنم میں جارہی ہو اور جس طرح دنیا میں گانا گا کر اور ڈھولک بجا بجا کر نیز دیگر مراسم قبیحہ کا ارتکاب کر کر کے مجھے خوش کیا کرتی تھیں آج بھی میرا ساتھ دے کر مجھے خوش کرو گی۔ اے عورتو! خدا کے لیے اپنی زبانوں کو سمیٹ لو اور مجھے برا بھلا نہ کہو۔ دنیا میں تمہیں تھیں یا کوئی اور جو شادی کے موقعوں پر اور بیاہ کے دنوں میں خوب گلے پھاڑ پھاڑ کر نہایت ہی فحش فحش گانے اور گالی پھکڑّ، لڑائی جھگڑوں میں اچھل اچھل کے ہاتھ چمکا چمکا کر بھوتنی جیسی بھیانک صورت بنا بنا کر بے حیائی کی باتیں، فحش کلمات، بری بری گالیاں بک بک کر اپنے دلوں کو خوش کیا کرتی تھیں۔ اس وقت تو گانا گانا گالی پھکڑّ بکنا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن آج اس کا نتیجہ کیوں خراب اور کڑوا معلوم ہوتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ میں نے تمہیں برائی کا راستہ بتایا اور تمہارے خوش ہونے پر اس وجہ سے خوش بھی ہوتا تھا کہ خدا کی نافرمانی میں تم بھی میرا ساتھ دے رہی ہو مگر خدا کے اور دوسرے پاک بندوں نے تمہیں خدا کے بھلے راستوں کو بھی تو دکھا دیا تھا۔ اس کی رضا مندی و نارضامندی خوشی و ناخوشی کے اسباب کو بھی تو بتا دیا تھا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تم نے اچھے کو چھوڑ کر برے کو اختیار کیا۔ کانٹوں کو پھول سمجھا، بے ضابطگیوں کو اصول جانا۔ مجھ پر ریجھ پڑیں اور میری باتوں میں آگئیں۔ بھلی باتوں کو چھوڑا اور خدا کے راستے سے منہ موڑا۔ کیا تمہیں آگ پانی میں تمیز نہیں تھی۔ میٹھے اور کھٹے کو نہیں سمجھتی تھیں۔ ہاں! تم سب کچھ سمجھتی اور جانتی تھیں۔ تمہیں ہر نیک و بد کو بتا دیا گیا اور معلوم تھا مگر خالی اپنی بدمعاشی و نالائقی سے میرا راستہ اختیار کیے ہوئے تھیں۔ اس میں میرا کچھ بھی قصور نہیں، گانا گاتے اور ناجائز کام کرتے وقت تو بہت اچھا معلوم ہوتا تھا دل کو خوشی اور سرور حاصل ہوتا تھا لیکن آج جب اس کا بدلہ اور ان جرموں کی سزا دی جاتی ہے تو کہتی ہو کہ

شیطان نے ہمیں بہکایا تھا، دھوکہ اور فریب میں رکھا تھا۔ سچ ہے: مِٹّھا مِٹّھا ہپ، کڑوا کڑوا تُھو۔ گناہ کرو تم عذاب سہوں میں، مزا اٹھاؤ تم، تکلیف اٹھاؤں میں۔ کیوں یہی انصاف ہے؟ مجھے کیا خبر تھی خالہ ہو کے ایسا سلوک کرو گی اور مجھ سے اس طرح بیزاری و نفرت کا اظہار کرو گی۔ خیر جب تمھاری یہی مرضی ہے تو کرو لیکن یاد رکھو کہ اس لعنت ملامت سے نہ تمہیں کوئی فائدہ ہوگا نہ مجھے کچھ نقصان پہنچے گا۔ اس لیے کہ تمھارے شکوے شکایت بالکل لچر اور فضول ہیں۔ ہاں! اگر شکوہ شکایت کا ایک حد تک کسی کو حق ہے تو صرف ان لوگوں کو جو میری طرح شیطانِ کامل اور حقیقی معنوں میں میرے خلف الصدق اور میرے جانشین کہلانے کے مستحق تھے۔ جو میرے دل کی خوشی اور میری رضا مندی کا کام کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ لوگ ایک بہت ہی اہم کام کو انجام دیتے تھے۔ یعنی تعلیم علم دین میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے اور روڑے اٹکاتے رہتے تھے۔ لوگوں کو تحصیل علم دین سے محروم رکھا کرتے تھے۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا میرے یہ مخلص احباب خود اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہی تو وجہ تھی کہ جو اس میں کامیاب ہو جاتا تھا میں اس کا منہ چوم لیتا اور اس کو گلے سے لگا کر اپنی جگہ پر بٹھاتا تھا اور مجھے اس سے زیادہ خوشی کسی کام میں نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے کہ علم والوں پر میرا کچھ زور نہیں چل سکتا تھا اور بے علموں جاہلوں کو میں بآسانی اپنے دامِ تزویر (فریب کا جال) میں پھانس کر طرح طرح کے جرائم اور گناہ کا راستہ دکھاتا تھا جس پر چل کر وہ خدا سے دور ہو جاتے تھے۔ لہذا میں زیادہ تر لوگوں کی جہالت ہی کا خواہاں رہتا تھا۔ بہرحال میرے یہ سچے جان نثار اور فرماں بردار وفادار احباب آج میری کچھ شکایت کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ حضرات شکایت کریں گے کیوں جب کہ یہ لوگ خود ہی شیطان بنے ہوئے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ محترم حضرات جو دنیا میں میری دوستی اور محبت کا دم بھرا کرتے تھے۔ آج بھی بغیر لعنت ملامت کیے میرے ساتھ چلے چلیں

گے۔ میں اس واسطے کہتا ہوں کہ وہ لوگ اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ علم دین سے روکنا شیطان کا کام ہے پس جب کہ جان بوجھ کر میرا ساتھ انھوں نے دیا ہے تو شکایت بیجا اور شکوہ عبث ہے۔ ہاں! اگر نہیں جانتے ہوتے تو البتہ ایک دوسری بات تھی۔ اب اگر یہ کہیں کہ شیطان نے ہمیں دھوکہ دیا اور بہکایا تھا تو اس کا جواب تو میں قبل ہی دے چکا ہوں کہ خدا نے تمہیں عقل بھی تو دی تھی۔ تمھاری ہدایت کا سامان بھی تو مہیّا کیا تھا۔ نعوذ باللہ منہا. کیا خدا کے کلام سے میری بات میں زیادہ اثر تھا، ہر گز نہیں۔ پس اے میرے بھائیو اور بہنو! تم نے صرف اپنی خوشی سے میرا ساتھ دیا اور برائیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ اس لیے کہ جہاں میں نے بری بات بتائی تھی وہیں خدا نے تمہیں اچھی بات بھی تو بتادی تھی۔ اگر تم میری بات کو نہیں مانتے تو کیا میں تم پر کوئی زبردستی کرتا یا دباؤ ڈالتا۔ کیوں میرے بھائیو اور بہنو! ایمان سے تو بتاؤ کہ کبھی بھی میں نے اپنی جانوں کے ماننے اور اپنے طریقے پر چلنے کے لیے تمہیں مجبور کیا تھا یا کسی قسم کی وعید سنائی تھی کہ اگر تم میرا کہنا نہیں مانو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ عذاب کی تکلیفیں سہو گے۔ ہر گز تم کہہ نہیں سکتے ہو۔ بخلاف اس کے خدا نے ہر طرح ڈرا دھمکا کر تمہیں میرے خلاف کرنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے صرف اپنی خوشی اور اپنی رضامندی سے اپنے واسطے اور اپنے نفس کی خاطر نہ کہ میرے واسطے اور میرے نفس کے لیے خداوند رب العزت کے حکم کے خلاف کیا اور میرا ساتھ دیا۔ بہر حال میری اس تقریر اور سمع خراشیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی صاحب خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کافر یا مومن اس کے بعد میرے خلاف لب کشائی نہ کریں اور نہ ہی مجھ پر لعن طعن کریں۔ اس لیے کہ: ذالك جزاء کم بما کسبت ایدیکم، یہ تمھارے عملوں (کاموں) کا بدلہ ہے جو آج تمہیں مل رہا ہے۔ بس اور کچھ نہیں اور حقاً و انصافاً سچ پوچھو تو یہ کتنی بڑی بے انصافی ہے کہ برا کام تم کرو اور سزا مجھ کو ملے۔ میں ملامت کیا جاؤں۔

شعر
کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

مسٹر ابلیس کے اس لکچر کو سن کر سب نے خاموشی اختیار کرلی اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ سب پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اس کے بعد ایک آواز آئی کہ شیطان ٹھیک کہتا ہے۔ اس کو تو اس کی نافرمانی اور بہکانے کی وجہ سے جمیع (تمام) دوزخیوں کا عذاب ہوگا ہی مگر تم لوگ بھی نہیں بچ سکتے۔ اس آواز کے سنتے ہی شیطان مع اپنے ہمراہیوں اور گنہگاروں کے دھڑ دھڑ جلنے لگا اور عذاب میں مبتلا ہوگیا: فنعوذ باللہ من غضب الجبار و من عذاب النار. (تو پناہ چاہتے ہیں ہم خدائے جبار کے غضب وقہر اور عذاب نار سے)

غرض قیامت کا دن نہایت ہی ہیبت ناک اور خطرناک تھا۔

ایمان داروں کا وفد پیغمبروں کی خدمت میں

ایمان داروں نے جب دیکھا کہ ایک زمانہ گذر گیا اور اب تک کوئی بھی جنت میں نہیں گیا تو سبھوں نے آپس میں یہ صلاح کی کہ چل کر کسی اولوالعزم پیغمبر کے سامنے اپنا حال زار بیان کریں۔ شاید اس کسم پرسی کے عالم میں وہ ہماری دستگیری کریں اور شفاعت فرما کر ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ چنانچہ سب کے سب جتھا باندھ کر وفد کی صورت میں ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ ہمارے باپ ہیں اور ہم سب آپ کے بیٹے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ آج کا دن نہایت کٹھن اور سختی و مصیبت کا ہے۔ للہ خدا کے سامنے چل کر ہم لوگوں کی سفارش کیجیے، مصیبت میں کام آئیے اور بڑے بوڑھے ہونے کی حیثیت سے کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ ہم لوگ چھوٹ جائیں اور مصیبت سے نجات پاجائیں۔

باپ کا بیٹوں کو خشک جواب: یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام آبدیدہ ہوگئے اور

فرمایا کہ میرے بیٹو در حقیقت تم بجا کہتے ہو مگر آج مجھ سے یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ اور نہ ہی میں تمھاری کسی قسم کی مدد کر سکتا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے شیطان کے فریب میں آکر خدا نے جس پھل کو کھانے سے منع کیا تھا اس کھالیا تھا۔ اور رب العزت کی حکم عدولی کی تھی۔ اس وجہ سے میں آج خدا کے حضور میں جانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے بھی اس کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہونے لگے۔ "نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری" یہاں تو اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہیں۔ میرے بیٹو دیکھو اور کسی کے پاس جاؤ شاید وہ تمھای دستگیری کریں۔ باپ کا یہ خشک جواب سن کر بیٹوں نے دوسرے کے پاس جانے کی ٹھانی اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

ایمان داروں کا وفد حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں:

ایمان داروں کا وفد گھومتے پھرتے کھوجتے ڈھونڈتے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بھی نہایت پریشان تھے۔ اور ان کے بُشرے سے ڈر اور خوف کے آثار نمایاں تھے۔ لوگوں نے جاتے ہی عرض کیا کہ حضرت! آپ آدم ثانی ہیں خداوند رب العزت نے آپ کو نجیّ اللہ کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ آج ہماری کشتی غیض و غضب خداوندی کے بحر زخار میں طوفانِ ابر و باد کے اندر پھنسی ہوئی ہے۔ ناؤ منجدھار ہے اور ساحل ناپید اکنار ہے۔ اعمالِ قبیحہ مانندِ شب تیرہ و تار ہیں۔ ہر طرف سے یاس و ناامیدی کی گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آرہی ہیں اور قہر و جبروت کی بجلیاں چمک چمک کر خرمن ہستی پر گرنا چاہتی ہیں اور کشتی امید گرداب بلا میں ڈوبنا چاہتی ہے۔ للہ! آپ ہمیں بچایئے اور ہماری ڈوبتی ہوئی کشتی کو طوفان غم و الم سے پار لگا کر ساحل مقصود تک پہنچایئے۔ حضور آپ نے بہتّوں کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔ کشتی بانی آپ کو خوب معلوم ہے۔ دریا کے مدّ و جزر اور ہر ٹھاٹ باٹ سے آپ خوب واقف و آگاہ ہیں۔ آج مہربانی فرما کر ذرا تکلیف گوارا کیجیے اور پروردگار عالم کے سامنے چل کر سفارش کر دیجئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا امید شکن جواب:

حضرت نوح علیہ السلام یعنی آدم ثانی یہ سنتے ہی تھرّا اٹھے اور کہا: لست ھناکم۔ بھائی میں یہاں تمھاری مدد نہیں کر سکتا۔ یہ وہ سمندر نہیں ہے جہاں میری کشی چل سکے۔ یہاں کا جوار بھاٹا اور ہی قسم کا ہے۔ ہیبت و عظمت کی موجیں دل دہلائے دیتی ہیں، کلیجہ ہلا جاتا ہے، سینہ پھٹا جاتا ہے نفسی نفسی۔ میری کشتیِ امید خود تیرتی نظر نہیں آتی دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مجھے خود فکر ہے کہیں مجھ سے یہ سوال نہ ہو جائے کہ تو نے اپنے کافر بیٹے کے لیے کیوں دعا کی تھی اور اس جرم کی پاداش میں میری کشتی امید کو جلال و جبروت کی موجیں غرق نہ کر دے۔ لکن ائتو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام۔ ہاں! تم لوگ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت مبارک میں جاؤ۔ شاید ان کی مدد سے تمھاری کشتی امید ساحل مقصود سے ہمکنار ہو جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی امید شکن اور مایوس کن جواب سے سبھوں نے بادلِ ناخواستہ اپنا کوچ کیا اور کھوجتے ڈھونڈتے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں گیے۔

اہلِ ایمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں:

سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا حال زار یوں بیان کرنا شروع کیا کہ حضور! آپ ابوالانبیا ہیں۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے۔ دنیا میں آپ کا مرتبہ بہت بڑا تھا۔ خداوند قدوس نے آپ پر نار نمرود کو نور اور اس کی چنگاریوں کو پھول بنا دیا تھا اور اس کی گرمی کو ٹھنڈک کے ساتھ مبدّل (تبدیل) فرما دیا تھا۔ آج ہم لوگ پریشان حال و پریشان بال گرمی محشر سے بیتاب و بیقرار ہو رہے ہیں۔ آپ سے دست بستہ التماس ہے کہ مہربانی فرما کر دربارِ ربّ جلیل میں ہماری سفارش کر کے ہمیں بندِ غم (غم کی قید) سے آزاد کرائیے۔ حرارت (گرمی) کو برودت (ٹھنڈک) سے اور گرمی کو ٹھنڈک سے بدلوائیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صاف جواب:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ سن کر فرمایا کہ عزیزو! آج کا روز روز قیامت ہے۔ مجھے اپنے جھوٹ سے سخت ندامت ہے (یہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا بلکہ توریہ تھا لیکن بڑوں کو بڑا ڈر ہوتا ہے) وہ زمانہ اور تھا جب کہ خلیل، خلیل ربِّ جلیل تھا۔ نفسی نفسی۔ یہاں تو آج اپنی فکر پڑی ہے۔ میزان عدالت کھڑی ہے۔ ڈر اس بات کا ہے کہ میرے تینوں جھوٹ کی وجہ سے گناہ کا پلہ بھاری نہ ہوجائے اور خلیل پیش پروردگار جلیل اپنے گناہوں کے بدلے خوار و ذلیل نہ ہوجائے۔ لہذا آج تم مجھے معذور رکھو۔ لکن ائتوا موسیٰ کلیم اللہ۔ لیکن اتنا بتادیتا ہوں کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ بڑے صاحب مرتبہ اور خدا کے پیارے نبی ہیں۔ طور پر وہی خدا سے ہم کلام ہوئے اور کلیم اللہ کہلائے۔ ان پر خدا کی تجلی ہوئی۔ بنی اسرائیل کو فرعون جیسے سرکش کے پنجۂ بیداد سے چھڑایا اور اس کو دریائے نیل میں غرق کرکے جہنم کا راستہ دکھلایا۔ غرض ان کا درجہ اور مرتبہ بہت ہی بڑا ہے۔ لہذا تم لوگ انہیں کے پاس چلے جاؤ۔ وہی تمھاری مددگاری فرمائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کا صاف جواب سن کر لوگوں کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کمر غم سے خم ہوگئی اور سب کے سب وہاں سے دل شکستہ ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ ٹھیک اور سچ ہے کہ خدا نے مجھے بڑا مرتبہ دے رکھا تھا۔ اور میرے ہاتھوں سے بنی اسرائیل کو نجات بھی دلائی تھی۔ لیکن میں نے ایک بے گناہ آدمی کو غلطی سے مار ڈالا تھا۔ بس یہی ایک فکر دامن گیر ہے اور اسی کا ڈر ہے۔ ورنہ میں ضرور تمھاری مدد کرتا۔ پس بھائیو جاؤ بڑی آزمائش کا وقت اور خوف کا دن ہے۔ نفسی نفسی۔ اپنی اپنی فکر سب کو پڑی ہے۔ لکن ائتوا عیسیٰ روح اللہ (عیسیٰ علیہ

السلام) عیسیٰ روح اللہ کے پاس جاؤ وہ تمھاری حاجت روائی کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کا پر عجز بیان سن کر سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور یوں عرض پیرا ہوئے کہ حضرت! آپ روح اللہ و کلمۃ اللہ ہیں۔ جو خصوصیت خداوند کریم نے آپ کو عطا فرمائی وہ کسی نبی کو نہیں بخشی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پدر کے پیدا کیا اور مسیح بنایا۔ آج اپنی مسیحائی دکھائیے۔ زبان مبارک کو جنبش دیجیے۔ ہمارے تنِ بے جان میں جان ڈالیے اور اس مصیبت سے نجات دلوایئے۔ حضور ہماری حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ آپ کو آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہ کر بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہوں گی۔ خدارا چلیے اور تکلیف گوارا کیجیے ورنہ بیمار جاں بلب (ایسا بیمار جو مرنے کے قریب ہو) کا فیصلہ ہو جائے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ سن کر فرمایا: لوگو آج کا دن نہایت ہی خوفناک وجاں گداز ہے۔ تختِ عدالت کا قاضی خدا ہے۔ لب ہلانا محال ہے۔ ذرا بھی چوں کرے کس کی مجال ہے۔ آج میری مسیحائی کام نہ آئے گی۔ کیونکہ میری امت مجھ کو خدا کا بیٹا کہتی تھی۔ اپنے مالک کے سامنے مجھے جانے سے حجاب مانع ہے۔ نفسی نفسی۔ اپنی اپنی جان پر آبنی ہے۔ ہاں! تم لوگ ان کے پاس جاؤ جن کا لقب شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین ہے۔ وہ خدا کے حبیب اور خدا ان کا محب ہے آج انہیں کی بات مانی جائے گی۔ جو وہ کہیں گے سنی جائے گی۔ جسے چاہیں گے بخشوائیں گے اور جنت میں لے جائیں گے۔ انہیں کی شان میں ہے:

رحمتِ عالم راحتِ دنیا شافعِ امت روزِ عقبیٰ
شاہ زمانہ سب نے مانا صلی اللہ علیہ وسلم
صاحبِ ہمت داعیِ امت قاسمِ نعمت مالکِ جنت
زیرِ حکومت ذرہ ذرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عیسیٰ مسیح کی زبان سے ایسے ایسے مایوس کن کلمات سن کر سبھوں کے رہے سہے اوسان خطا ہوگئے ۔ ہوش نے جواب دیا: حواس جاتے رہے کہ اتنے بڑے بڑے اولوالعزم اور معصوم صفت نبیوں کا جب یہ حال ہے کہ مارے ڈر کے تھر تھر کانپ رہے ہیں اور دربار خداوندی میں جانے کا نام نہیں لیتے تو پھر ہم لوگ کس طرح اور کون سی امید پر بخشے جائیں گے ۔ بہر حال چاروناچار سب کے سب حال زار و دل بیقرار تلاشِ سید ابرار میں اس شعر کو پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

میں ان کو کہاں ڈھونڈھوں اب ہائے کدھر جاؤں
مجمع ہے بڑا بھاری میدان قیامت میں

(داغ ثانی سہسرامی)

ریاکار نمازی وحاجی وشہید اور زکوۃ دینے والوں کا حشر

چنانچہ ابھی تھوڑے دور بھی ہم لوگ نہیں گئے تھے کہ فرشتوں کو دیکھا کہ چند آدمیوں کو گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لیتے چلے جارہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو بڑے نمازی تھے ۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھا کرتے ، تہجد اور چاشت اور اشراق بھی ادا کیا کرتے تھے ۔ دوسرے وہ جو برابر روزے رکھا کرتے تھے ۔ اور دنیا میں صائم الدہر مشہور تھے ۔ تیسرے وہ تھے جو بہت ہی زیادہ صدقات و خیرات کیا کرتے اور سخاوت میں مشہور تھے ۔ چوتھے وہ تھے جو کافروں کے ساتھ بڑی دلیری اور جوانمردی کے ساتھ جہاد کرتے تھے ۔ حتیٰ کہ کافروں ہی کے ہاتھ سے مارے گئے اور شہید بھی ہوئے لوگوں نے دریافت کیا کہ بھائی ان لوگوں نے تو دنیا میں بڑا نام پیدا کیا تھا ۔ یہاں تک کہ زاہد شب بیدار ، قائم اللیل و صائم النہار مشہور تھے ۔ خیر خیرات کیا کرتے تھے ۔ صدقے زکوٰۃ ادا کرتے رہتے تھے ۔ غریبوں کے معاون ومددگار تھے ۔ حامیِ دینِ متین سید ابرار تھے ،

قاتلِ کفار ناہنجار تھے۔ مشرکوں اور بے دینوں سے ہمیشہ آمادہ حرب وپیکار باندھے ہوئے تلوار رتھے۔ آخر بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنے بڑے بڑے کام کرنے کے باوجود نیکی برباداور گنہ لازم کرکے یہ لوگ مستحق نار کیوں ٹھہرائے گئے ؟فرشتوں نے کہا: یہ سچ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑی جانفشانیاں کیں اور بڑے بڑے کام کیے لیکن خالی دنیا میں شہرت حاصل کرنے کی غرض سے یہ سارے کام کیے۔ ان کے اعمال صدق وصفا سے عاری اور خلوص سے خالی تھے۔ دنیا کے دکھانے اور نام پیدا کرنے کی غرض سے انھوں نے نمازیں بھی پڑھیں، روزے بھی رکھے، صدقہ بھی دیا، جہاد بھی کیا، شہید بھی ہوئے۔ غرض سب کچھ کیا مگر صرف نمازی، روزہ دار، سخی اور جواں مرد و شہید کہلانے کی غرض سے۔ چنانچہ جوان کی غرض اور غایت تھی پوری ہوگئی۔ ان کی نیت کا پھل مل چکا۔ اب آخرت کے واسطے کچھ نہیں رہا۔ لہٰذا آج انہیں دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوا ہے۔

ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کی گرفتاری

اس کے بعد ایک عورت نظر آئی کہ اس کے پیچھے چار آدمی آرہے ہیں اور سب کے سب نہایت سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ فرشتے چاروں کو عورت کے ساتھ مارتے پیٹتے لیتے جارہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس عورت کی وجہ سے یہ چاروں عذات میں مبتلا ہیں۔ یہ چاروں اس کے ماں باپ بھائی اور شوہر ہیں کہ ان لوگوں نے اسے علم دین سے بیگانہ رکھا تھا۔ اور پڑھانے لکھانے کو عار سمجھتے اور کہتے تھے کہ عورت ذات پڑھ کے کیا کرے گی۔ چنانچہ اس عورت نے نا اہلی اور جہالت کی وجہ سے طرح طرح کے گناہ کیے اور اس گناہ کا باعث بھی دوسرے لوگ بنے۔ ماں باپ بھائی نے تو ٹال ہی دیا تھا۔ لیکن شوہر نے بھی خیال نہ کیا اور مسائل دینیہ کو نہیں بتایا جس کی وجہ سے یہ سب کے سب جہنم کو جارہے ہیں۔ غرض راستہ میں ہزاروں قسم کے لوگ انواع و اقسام کے عذاب میں گرفتار نظر آئے۔

فساد پھیلانے اور سخن چینی کرنے والوں کا حشر

منجملہ ان کے ایک گروہ کہ بندروں اور برے برے جانوروں کی صورتوں میں سر پٹکتے اور چیختے چلاتے ہوئے موقف (میدانِ محشر) کی طرف جا رہے تھے۔ فرشتوں سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ سخن چینی کرنے والے اور اِدھر کی بات اُدھر کر کے مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیلانے اور لڑائی و دشمنی پیدا کرانے والے ہیں۔ چنانچہ یہ سب کے سب آج اسی صورت سے جہنم میں جائیں گے۔

بے انصاف رشوت خور قاضی، مفتی اور جج وغیرہ کا حشر

پھر دوسرا گروہ نظر آیا کہ اس میں لاکھوں کی تعداد میں اندھے لوگ تھے جنہیں فرشتے بہت ہی بری طرح پیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جا رہے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ یہ قاضی، مفتی، جج، کلکٹر، منصف اور حاکم و حُکّام اور بڑے بڑے عہدیداران لوگ ہیں جو رشوت لے کر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر دکھاتے تھے اور انصاف سے کام نہیں لیتے تھے۔

بے عمل عالم و فاضل اور واعظ و لیڈر کا انجام

اس کے بعد بڑے بڑے عالم فاضل اور واعظ و لیڈر اس حال میں دکھائی دیے کہ ان کی زبانیں سینوں سے نیچے لٹکی تھیں اور وہ اپنے دانتوں سے اس کو کاٹتے جاتے تھے اور عذاب شدید میں مبتلا تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنے قول کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔ دوسروں کو تو سمجھاتے بجھاتے اور بری باتوں سے منع کرتے تھے۔ مگر خود اس کام کو کرتے اور برائیوں میں مبتلا رہتے تھے۔ واعظ، لکچرار، مولوی، عالم اور لیڈر بننے سے ان کا مقصود سوائے تن پروری (پیٹ پالنا) اور لوگوں میں نام پیدا کرنے کے کچھ نہیں تھا۔

ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے لوگوں کا گروہ

پھر ایک جتھا ملا جس میں ہزاروں مرد عورتیں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ذلت خواری کے ساتھ الٹتے پلٹتے ہوئے موقف کی طرف جا رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہمسایہ اور پڑوسی کو بلاوجہ تکلیف و ایذا پہنچاتے رہتے تھے۔

خوشامدیوں اور چغل خوروں کا عبرت خیز انجام

پھر ہم لوگ ایسے گروہ کے پاس سے گذرے جس میں بہت سے لوگ آگ کی سولیوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا تھے۔ یہ چغل خوری کرنے والے اور خوشامدی لوگ تھے کہ بادشاہوں اور امیروں یا ایک دوسرے کے پاس اپنے نفع کے لیے خوشامداً لوگوں کی چغل خوری کرتے رہتے اور جھوٹی جھوٹی شکایتیں کر کے لوگوں کے زر زمین روپے پیسے سب کو ظلماً چھنوا لیتے تھے اور اس خوشامد اور چغل خوری کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے کہ راستہ بھر کیسے کیسے لوگ دیکھنے میں آئے۔ اچھے برے ہر قسم کے لوگ غول کے غول بھرے ہوئے تھے۔ بڑی کثرت اور بڑا اژدحام (بھیڑ بھاڑ) تھا جس سے راستہ چلنا دشوار تھا۔ آخر سب کے سب صفوں کو چیرتے پھاڑتے اور کھوجتے ڈھونڈھتے ایک خیمہ زر نگار کے قریب پہنچے۔

ایمانداروں کا گروہ خیمہ نور کے پاس:

خیمہ کیا تھا سراپا نور تھا کہ اس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی اور اس کی جگمگاہٹ کے آگے خورشید محشر بھی ماند تھا بلندی اس کی سپر زر نگار کو نیچا دکھاتی تھی۔ ساکنان بزم بالا سے آنکھیں ملاتی تھی۔ ہر چہار طرف اس کے سبز سبز باغ جس میں انواع و اقسام کے پھولوں کے درخت لگے ہوئے اور درخت پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ کہیں سنبل مانندِ زلفِ حسیناں اپنا سیاہ چمک دار بال بکھیرے ہوئی تھی تو سوسن

اس پر زبان تعریف کھولے ہوئے۔ کسی جگہ نرگس مثال چشمِ بیمار معشوقانِ طرحدار اپنی آنکھوں کو کھولے ہوئے تھی۔ تو اس کی دیدہ نیم باز کو دیکھ کر پھولوں کا دامن صبر و شکیب تار تار تھا۔ نہالہائے سرو شمشاد رشک قد دل جوئے خوب رویان نیک نہاد تھا۔ پھول کھِلکھلا رہے تھے، کلیاں معشوقان کمسن کے لب ہائے نازک کی طرح مسکرا رہی تھیں اور غنچوں کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی خوبصورت چڑیاں شاخ ہائے گل پر نغمہ خواں تھیں۔ بلبلانِ خوش نوا بصد ناز و ادا عروس گل کے جھرمٹ میں لب سے لب ملا کر الفت و محبت کا گیت گا رہی تھیں۔ ہوا چل رہی تھی۔ پتے نہریں جاری تھیں فوارے چھوٹ رہے تھے اور چشمے ابل رہے تھے۔ غرض باغ بے خزاں میں آمد بہار جاں فزا تھی۔ پھولوں کی مست کن خشبوئیں نسیم خوشگوار کی نازک خرامیوں کے ساتھ اڑ اڑ کر مشام جاں کو معطر کر رہی تھیں۔ خیمے کی چلمن اور پردے اٹھے ہوئے تھے اور ہر چہار طرف سے خوشبو آمیز ہواؤں کے جھونکے خیمہ میں گھس گھس کر عطر بیزیاں کر رہے تھے۔ خیمے کے اندر فرش فروش مرصع کار نقرۂ طلائی بچھے ہوئے تھے اور فرش پر لعل و جواہر زمرد و فیروزے کی کرسیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ اور کرسیوں پر مخمل سرخ و سبز کی ایسی ایسی نرم نرم گدیاں پڑی ہوئی تھیں کہ قوت لامسۂ انسانیہ نے خواب میں بھی ایسی نرم نرم و گداز اشیاء کو محسوس نہیں کیا۔ وسط خیمہ ایک تخت جواہر نگار صدر مقام پر رکھا ہوا تھا تخت پر ایک قالین زربفت کا بچھا ہوا اور اس پر ایک چھوٹا سا حریر سبز رنگ کا شامیانہ کھچا ہوا تھا اور شامیانے کے گوٹ میں گہرہائے شب چراغ ٹکے ہوئے، ہوائے لطیف کے نازک ہچکولوں سے ہل ہل کر یوں چمک رہے تھے جیسے کسی حسین دوشیزہ کے خوبصورت کانوں میں آویزے تخت پر شہنشاہ دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ کرسیوں پر انبیائے عظام و صحابہ کرام قریب حضور حلقہ باندھے مؤدب بیٹھے ہوئے۔ بعد ان کے ائمہ مجتہدین و علمائے شرع متین و بزرگان

دین کا جمگھٹا تھا۔ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے چہرے آفتاب کی طرح روشن تھے و دیگر بزرگوں کے چاند ر تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ لیکن شہنشاہ اولین و آخرین و عالم ماکان ومایکون کے روئے منور ہی کا پر تو تھا جو دیگر انبیائے کرام وبزرگان عظام کی روشنیوں اور چمک دمک کا باعث بناہوا تھا۔ اس نور مجسم کے رخ زیبا کا تصور وہم وادراک سے بالاتر تھا۔

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے
ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوانا دیدہ ہے

چنانچہ اسی وجہ سے سب کے سب مؤدب و مہذب خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے سردار دوجہاں باعثِ تخلیق کون ومکاں ومحبوب رب لامکاں کے چہرۂ زیبا کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ حضور کے واسطے آرائش وزیبائش کا پورا سامان اور آرام وآسائش کا کافی اہتمام تھا۔ پھر بھی حضور کے روئے مبارک سے آثار تردد و تفکر نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرکار ابد قرار کسی گہری سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ادب و ہیبت سے کوئی اس کو دریافت نہیں کرسکتا تھا اور سب پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ بالآخر جان نثار سید ابرار، خلیفہ اول، یار غار، رفیق شفیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعلی عنہ نے اس طلسم سکوت کو یوں توڑا کہ حضور! عليك أرواحنا الفداء۔ خیر تو ہے اس وقت آپ کو کون سی فکر لاحق ہے جو باعثِ تردد وانتشارِ خاطر ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: آج کا روز روز قیامت ہے، میری امت بڑی گنہگار ہے، اب میں جاتا ہوں اور ان لوگوں کی بخشش کراتا ہوں۔ خلیفہ دوم نے کہا: حضور! گھبرانے کی کون سی بات ہے؟ آج میدان تو حضور ہی کے ہاتھ ہے۔ بعد ازاں خلیفہ سوم بولے: بیشک آج حضور شفاعت فرمائیں گے اور خداوندعام حضور کو اتنا دے گا کہ سرکار خوش ہوجائیں گے اس لیے کہ اس نے حضور سے وعدہ فرمایا ہے: ولسوف يعطيك ربك فترضى.

اے پیارے عنقریب آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔
خلیفۂ چہارم یوں عرض گذار ہوئے: در حقیقت حضور! خدا نے تو وعدہ ہی فرمایا ہے: وقولہ حق وکلامہ صدق۔ اس کی باتیں حق اور اس کا کلام سچا ہے۔ لاتبدیل لکلمات اللہ۔ خدا کی باتیں ہر گز ہر گز بدل نہیں سکتیں اس لیے کہ اس کے کلام میں کذب کا پایا جانا بالکل ممتنع و محال ہے اور یہی تو صفتِ کمال ہے۔ حضور نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: ہاں! یہ تو سچ ہے کہ میرا رب مجھے راضی کر دے گا مگر میں بھی اپنے کل امتی کو بخشوائے بغیر راضی نہ ہوں گا۔ یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا اس کو بھی دوزخ سے نکلوا کر جنت میں پہنچاؤں گا۔ چاروں خلفا بولے: بیشک جس نے صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے اور حضور کی رسالت کا اقرار کیا ہے اور حضور کی محبت کا دم بھرتا رہا ہے، اس کو ضرور جنت میں جگہ دلوائی جائے گی۔

حضور: مگر جس نے تم چاروں میں سے کسی کی بھی توہین کی ہے یا میرے کسی صحابی کی شان میں گستاخی سے کام لیا ہے تو میں اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

خلیفہ اول و دوم: اور جس نے حضور کی توہین کی ہے یا کسی نبی کو برا بھلا کہا ہے یا ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی کی ہے تو اسے دھکّا دے کر کسی خراب جگہ میں جو جہنم سے بھی زیادہ دردناک ہوتی ڈال دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

خلیفہ سوم و چہارم: یعنی ایسا شخص ہمیشہ غیض و غضبِ خداوندی میں پڑا رہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز دردناک نہیں ہے۔

سب لوگ ڈر کر بولے: نعوذ باللہ من غضب الجبار و من قھر القھار (پناہ چاہتے ہیں ہم غضبِ جبار و قہرِ قہار سے) مختصر یہ کہ ابھی اس قسم کی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یک بیک صدائے الغیاث والمدد کے ساتھ نہایت دردناک لہجہ میں یہ اشعار سنائی دیے:

زمہجوری برآمد جان عالم ترحّم یا نبی اللہ ترحّم
نہ آخر رحمۃ للعالمین زمہجوراں چرافارغ نشینی

حضور! تلاش کرتے کرتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ ہجر و فراق میں جان نکل گئی خدارا رحم فرمایئے۔ کیا حضور رحمۃ للعالمین نہیں ہیں؟ پھر حضور کیوں اپنے جان نثاروں اور مہجوروں سے بے پرواہ بیٹھے ہوئے ہیں؟ لب مبارک کو ہلایئے۔ شان محبوبی دکھایئے اور ہمارے مردہ جسموں میں جان ڈالیے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں جب کہ آدم علیہ السلام نے جواب دے دیا ہے۔ نوح علیہ السلام نے انکار کر دیا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے عذر کر دیا ہے۔ موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام نے مایوس کن کلمات سے ہمیں دل شکستہ بنا دیا ہے۔ اب سوائے حضور کے ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اے ہمارے سرکار! خدائی کے مختار! سارا عالم حضور ہی کے دست کرم کا محتاج ہے۔ آج ہم گنہگاروں کی لاج حضور کے ہاتھ ہے۔ خداوند عالم نے حضور کو صاحب لولاک بنایا اور خلعتِ ”قد غفر اللہ ماتقدم من ذنبك وما تاخر“ (بیشک اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو بخش دیا) سے سرفراز فرمایا ہے۔

اے اختر برج کرم از روضہ بیروں نہ قدم
تا بر رخت چوں بنگرم گیرد ہم عالم ضیا
دل خستگان را شاد کن مارا ز غم آزاد کن
از عاشقانت یاد کن بخرام در کوئے وفا
پشت و پناہ ما توئی اقبال جاہ ما توئی
چوں عذر خواہ ما توئی دریاب آخر کار ما
رسوا مکن در محشرس آزاد کن از ہر درش
چوں طبع مدحت گستر د گوید ترا از جان ثنا

چوں احمد جامی نہاں دارد گناہ بے گراں
از حق بخواہ اے کامران عذر گناہ ایں گدا

حضور اس درد بھری آواز کو سن کر آبدیدہ ہوگئے اور امت گنہگار کے حال زار کو دیکھ کر بیتابانہ خیمے سے باہر تشریف لائے اور تسلی و تشفی دیتے ہوئے لواء الحمد کو ہاتھ میں لے کر دربار پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے اور حضور کے پیچھے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر انبیائے کرام بھی ایک ایک علم لے کر روانہ ہوئے اور سب لوگ ان علموں کے سائے میں آفتاب محشر کی گرمی سے بچتے ہوئے چل کھڑے ہوئے۔ سردار اولین و آخرین کے خیمے سے باہر نکلتے ہی محشریوں میں ایک ہلچل اور ہنگامہ مچ گیا اور بالکل اس شعر کا مصداق نظر آنے لگا۔

کوئی محشر خرام آنے کو ہے میدان محشر میں
جدھر دیکھو ادھر اک کھلبلی معلوم ہوتی ہے (شیدؔا مرحوم)

آگے آگے دونوں عالم کے دولہا براق پر سوار اور جلوس میں باراتی یہ شعر پڑھتے ہوئے جارہے تھے:

آپ کی شاہی دادِ الٰہی اس پہ خدا کی صاف گواہی
پھر نہ چلے کیوں سکہ تمہارا صلی اللہ علیہ وسلم

مختصر یہ کہ حضور سراپا نور اس شان سے کہ۔

سر پہ مزیّن تاج شفاعت جسم پہ موزوں جامہ طٰہٰ
اور فترضیٰؔ ہاتھ کا گجرا صلی اللہ علیہ وسلم

حضور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم خراماں خراماں دربار خداوندی میں حاضر ہوئے اور سجدے میں سر رکھ کر ایسی حمد و ثنا خداوند قدوس کی بیان فرمائی کہ نہ تو اس کے پہلے کبھی کسی نے کیا تھا نہ بعد کو کریں گے۔ اور بعد حمد و ثنا کے فرمایا کہ پروردگار! آج

تیرے دربار میں تیری اٹھارہ ہزار مخلوق، ایک لاکھ چوبیس ہزار (اس سے کم یا زیادہ) انبیا اور تین سو تیرہ رسولوں کا مجمع ہے۔ ان سبھوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کر۔ میری لاج رکھ لے۔ میرے دامن مقصود کو گوہر آرزو سے مالا مال کردے اور میری امت کو بخش کے مجھے نہال کردے۔ چنانچہ خدا نے جب تک چاہا اپنے محبوب کو اسی حالت میں چھوڑ دیا اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنی تعریف و توصیف کے ترانے سنتا رہا۔ آخر محبوب کی اس پیاری ادا کو دیکھ کر دریائے رحمتِ خداوندی جوش میں آیا اور ارشاد ہوا: یامحمد ارفع راسك سل تعط اشفع تشفع .

پیارے! سر سجدے سے اٹھاؤ اور مانگو، پاؤ گے۔ شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔

اگر بر سرو چشمِ من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

پیارے! یہ سارا کارخانہ تو تمھارے ہی واسطے ہے۔ اگر تم کو میں پیدا نہ کرتا تو ہرگز کسی چیز کو نہیں پیدا کرتا۔ میرے محبوب جس کی شفاعت کرو قبول ہوگی۔ جس کو چاہو بخشا جائے گا۔ لیکن پہلے اپنی نیابت میں اپنی امت میں سے کسی کو پیش کرو تاکہ میں پہلے اس سے کچھ پوچھ لوں۔ چنانچہ آپ نے سرسری نگاہ سے تمام صفوں کو ملاحظہ کیا لیکن بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوئی اس قابل نہیں نظر آیا۔ پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! جاؤ اور خدا سے کلام کرو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور! مجھے خدا کے آگے جانے میں شرم معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ میری تمام عمر سیہ کاری و گنہگاری میں گذری اور ادھیڑ عمر یں مسلمان ہوا۔ مجھے پیش کرکے ذلیل نہ فرمائیے۔ حضور نے انہیں زبردستی پکڑ کے خداوند قدوس کے سامنے پیش کردیا کہ دیکھو میری امت پریشان ہے اور تم پس و پیش کررہے ہو۔ چنانچہ خلیفہ اول نے عرش اعظم کے نیچے سجدہ کیا اور تعریف و توصیف شروع کی۔ حکم ہوا اے یار غار احمد مختار! سر اٹھا اور سوالوں کے جواب باصواب سے مجھ کو خوش کر۔ تجھے میں نے جو اتنی

زندگی عطا فرمائی اور اتنی بڑی عمر دی، اسے تو نے کہاں صرف کیا اور زندگی کو کیسے گذارا؟ خلیفہ اول نے کہا: خداوندا! میں بندہ ناچیز سراپا گنہگار و خطاوار ہوں، اپنی زندگی کی قلیل مدت میں جو کچھ بھی میں نے کیا وہ در حقیقت تیرے دربار کے لائق نہیں ہے۔ مجھے تو بتاتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کیا کیا! ارشاد خداوندی ہوا اے ابوبکر: مجھے تیرے سفید بالوں کو دیکھ کر شرم معلوم ہوتی ہے جس دروازے سے جی چاہے جنت میں داخل ہو جا اور اپنے ساتھ بہت سے مسلمانوں کو بھی لیتا جا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرط خوشی سے سجدے میں گر پڑے اور شاداں و فرحاں وہاں سے الگ ہوئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم آگے بڑھے کہ ادھر سے آواز آئی: السلام علیک یا عمر۔ آپ اس کو سنتے ہی سجدے میں گر پڑے اور عرض کیا: خداوندا! تو ہر کھلی چھپی باتوں کو جانتا ہے، ظاہر و باطن سے واقف و آگاہ ہے۔ میرے اعمال تجھ پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ حکم ہوا کہ جاؤ جنت کے عیش مخلد میں آرام کرتے رہو۔ عالم آخرت میں تمھارے واسطے ہر طرح کے آرام آسائش کا سامان موجود ہے۔ اے میرے پیارے کے پیارے معین و مددگار! جاؤ دار القرار میں مقیم ہو جاؤ۔ پھر حضرت عثمان ذوالنورین پیش کیے گئے۔ ارشاد ہوا کہ اے جامع قرآن، صاحب حیا و عرفان، پیارے کے پیارے داماد! تمھاری شرگیں آنکھوں کو دیکھ کر مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ تم نے اپنے مال سے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کیں، حتیٰ کہ اپنی جان عزیز کو بھی میرے راستہ میں قربان کر دیا۔ لہٰذا آج تم حساب و کتاب سے بری ہو جاؤ اور جنت الماویٰ میں چین سے بسر کرو۔ بعد ان کے شیر بیشۂ خداوندی صاحب نصرت و فتح مندی، ختنِ رسول، زوج بتول، حلّ المشکلات مولائے علی کائنات کرم اللہ وجہہ نے حسب فرمان سید الانس و الجان آگے بڑھ کر معبود حقیقی کے سامنے سرٹیک کے حمد و ثنا شروع کی۔ خطاب رب الارباب ہوا کہ اے ہمارے شیر! تو نے اپنی عمر عزیز کو کس میں صرف کیا؟ حضرت علی

کرم اللہ وجہ نے جواب دیا کہ اے مالک و مولیٰ میں کیا کہوں اور میرے اعمال کیا، تیرے سامنے قیل و قال کیا، بندہ سراپا گنہگار اور تیری رحمت کا امیدوار ہے۔ تو ستار و غفار ہے۔ ارشاد ہوا کہ اے شیر بیشۂ جرأت و مردانگی! تم نے دنیا میں بہت بڑے بڑے کام کیے اور اسلام کے لیے تکلیف و مصیبت میں زندگی کو بسر کیا۔ لہٰذا آج تم کو اور تمھارے سچے جان نثاروں کو بخش دیا۔ جاؤ جنت الماویٰ میں بصد عزت و احترام زندگی جاوید کے مزے اٹھاؤ ۔ چنانچہ ہر خلیفہ کے ساتھ ان کی محبت و الفت کا دم بھرنے والے ہزاروں ہزار آدمی بلا حساب و کتاب بخش دیے گئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جنتیوں کو دوزخیوں سے الگ کرو تا کہ وہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ جنت میں جائیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ پروردگار عالم جنتیوں کی تعداد کتنی ہے اور جہنمیوں کی کتنی ؟ ارشاد ہوا کہ ہزار میں ایک جنتی اور باقی جہنمی ہیں۔ یہ سن کر تو سب کے اوسان خطا اور ہوش پراں ہو گئے۔ سب پر ایک یاس اور نا امیدی کا عالم چھا گیا۔ آدم علیہ السلام نے فوراً یاجوج ماجوج کے قوم سے جہنمیوں کی تعداد اور جنتیوں کی تعداد ان کے علاوہ میں سے پوری کر کے حضرات صحابہ کرام رضوان الہ علیہم اجمعین کے حوالہ کر دیا۔ اور حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے بھی لاکھوں کروڑوں گنہگاروں کو بخشوا یا۔ نیز دیگر انبیائے کرام وائمہ و پیران عظام نے بھی اپنے اپنے پیروؤں کی سفارش کی اور سب کو ساتھ لے کر وہاں سے جنت کی طرف روانہ ہوئے۔ بعد اس کے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی امت حساب و کتاب کے لیے بلائی گئی۔ اب میدان قیامت کا ذکر میں اس وقت چھوڑتا ہوں۔ انشاء اللہ العظیم آخرت یعنی منزل مقصود پر پہنچ کر کچھ مختصر سا اس کا اور بھی بیان کیا جائے گا۔ اس لیے کہ میرا بھی حساب و کتاب ہو چکا ہے اور جمیع بزرگان دین اور خصوصا نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زیر کی شفاعت کے صدقے میں بھی جنت کو جا رہا ہوں۔

عالم آخرت کا دشوار گذار پل

بال کی کھال چھڑا کر اور تلوار سے تیز بنا کر اس پل کو بنایا گیا ہے اور درازی اور مسافت اس کی پینتیس ہزار برس کی راہ ہے۔ عالم آخرت کے مسافروں کو خواہ مومن ہو یا کافر، نیکو کار ہو یا گنہگار سب کو اس پل پر چلنا ضروری ہے اور یہی مومن و کافر اور صالح و فاجر کے درمیان فرق کر ڈالتا اور آخرت کی دونوں بستیوں جنت و جہنم میں سے کسی ایک جگہ انسان کو پہنچا دیتا ہے۔ پہلی بستی یعنی جنت تو اس پل کو عبور کرنے کے بعد ملتی ہے اور دوسری یعنی جہنم اسی کے نیچے آباد ہے۔ لیکن در حقیقت یہ ایک سمندر نار اور بحر زخار تیرہ و تار ہے جو لپک اور شعلوں کی موجیں مار رہا ہے۔ افسوس! کوئی لفظ اس کا خاکہ بتانے کے لیے نہیں ملتا جس سے ناظرین کے سامنے اس کی تصویر کھینچی جائے۔ میں دنیا میں جتنی باتیں بھی اس کے متعلق سنا کرتا تھا وہ سب بطور تمثیل و تفہیم کے تھیں۔ ورنہ یہ تو در حقیقت اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ اللہ رے گہرائی اس کی کہ ہزاروں برس میں تو انسان کیا بڑے بڑے پہاڑ اس کی تہ کو پہنچیں۔ اف رے تاریکی اس کی کہ اگر ظلمت ظلمات بھی دیکھ لے تو منہ پر سیاہی پھیر لے اور چادرِ ظلماتی اوڑھ کر شرم سے سرنگوں ہو جائے۔

پل صراط بھی چونکہ اسی پر سے ہو کر گیا ہے اس وجہ سے ایک دم تاریک ہو رہا تھا۔ ہر چہار طرف سیاہی چھائی ہوئی تھی اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سمجھائی دیتا تھا۔ اس پر دشواری یہ کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز تو عرض (چوڑوئی) اس کا اور طول (لمبائی) کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ بہر حال اس باریک و تاریک راہ سے سب کے سب جانے لگے اور دونوں جگہوں کے جانے والوں نے اسے عبور کرنا شروع کیا۔ چنانچہ کافروں کا تو یہ حال ہوا کہ پاؤں رکھتے ہی کٹ کر گرنے لگے اور گنہگار لوگ اس

طرح جارہے تھے کہ دو چار قدم چلے اور کٹ کر گرے پھر چلے پھر کٹ کر گرے پھر چلے۔ غرض اسی طرح گرتے پڑتے جارہے تھے۔ اور بعض جو کم گنہگار تھے انہیں آگ کی لپک اوپر ہی جلادیتی تھی اور جلتے بھنتے چلے جاتے تھے۔ ہاں! جو اچھے اچھے لوگ تھے یا جنہیں بخش دیا گیا تھا انہیں علیٰ قدر مراتب (مقام و مرتبہ کے لحاظ سے) نور کی روشنی ملی تھی جس کی روشنی میں بعض تو بجلی کی طرح پلک جھپکتے ہی اس پار پہنچ جاتے تھے اور بعض براقوں پر ہوا کی طرح تیز اور بعض قربانی کے جانوروں پر باد رفتار گھوڑوں کی طرح اڑتے ہوئے اور بعض پاپیادہ (پیدل) ہی جارہے تھے۔ ان لوگوں میں سے کسی کو پہاڑ کے برابر روشنی ملی تھی اور کسی کو درخت کے برابر۔ کوئی اس سے کم اپنے ہاتھ میں لالٹین اور چراغ کی طرح لئے ہوئے راستہ دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور کسی کو صرف انگوٹھے پر ذرا سا نور تھا اور یہ انوار ہر وقت دائیں بائیں آگے پیچھے حرکت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جسے نور کا حصہ کم ملا تھا وہ جب تک اس کے سامنے نور رہتا چلتا اور جب دائیں بائیں چلا جاتا تو خاموش کھڑا ہو جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہر شخص اپنے اپنے ایمان و عمل کے مطابق نور لیے ہوئے چلا جارہا تھا۔ اور کوئی کسی کے نور سے مستفاد (فائدہ اٹھانے والا) نہیں ہوتا تھا۔ اگر چہ مجھے بھی میرے پروردگار نے بخش دیا تھا لیکن میں نے اور بہت سے اور لوگوں نے پروردگر عالم سے عرض کیا کہ اللہ العالمین! ہم لوگ ذرا جہنم اور اس کے رہنے والوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ کر اس سے بچنے کا تیرے دربار میں شکریہ ادا کریں۔ الحمد للہ الذی نجانا و خلفنا من النار۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ اور دیکھ آؤ۔ تمھارے انوار کی وجہ سے تمہیں جہنم کی آگ کچھ اذیت نہ پہنچائے گی۔ چنانچہ ہم لوگ ابھی میدان قیامت ہی میں تھے کہ یک بیک جہنم نے جوش مارنا شروع کیا۔ اس کے شعلہ ہائے آتشیں بھڑکے ہوئے تھے اور ہر سمت بحر ظلمات کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ سمندر تیرہ و تار موجیں مار رہا تھا اور ہر طرف تا حد نظر برابر آگ بجھی ہوئی بہ رہی تھی۔

جس میں بڑے بڑے پہاڑ کو ڈالا جاتا تھا تو وہ فوراً جل کر خاکستر اور نیست و نابود ہو جاتے تھے۔ اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا تھا۔ اس کے جوش و خروش شور چنگھاڑ کو سن کر عرصۂ حشر میں بڑے بڑے شیروں کا پتّہ پانی ہو رہا تھا۔ اور بڑے بڑے دلیروں کے حواس باختہ تھے۔ خدا جانے اس وقت اس میں کہاں سے اتنی باڑھ آئی ہوئی تھی کہ اس کی آگ ایک پر ایک بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلے گنہگاروں کے شوق میں میدان قیامت تک پہنچ آئے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جہنم کو اس طرح جوش مارتے ہوئے دیکھا تو اپنی گنہگار امت کے لیے بیتاب ہو گئے۔ ابھی حضور اسی تردد میں کھڑے تھے کہ جبریل امین ایک قرابہ پانی لے کر آئے اور عرض کیا کہ حضور اس پانی کو جہنم کے بڑھتے ہوئے شعلوں پر پھینکیے اور قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھیے۔ چنانچہ آپ نے جوں ہی ایک چلو پانی لے کر پھینکا ہے کہ جہنم کو بھاگنا محال ہو گیا اور پلک جھپکتے ہی آگ پانچ سو برس کے فاصلہ تک ہٹ گئی۔ سرکار نے پانی کی اس عجیب و غریب خاصیت کو دیکھ کر استفسار فرمایا کہ اے روح الامین! یہ کون سا پانی ہے اور اس میں یہ کیسی خاصیت ہے کہ ایک چھینٹ میں آگ سرد ہو گئی۔ جبرئیل امین نے جواب دیا کہ یا سیدی! یہ پانی چشمہ چشم انسان سے نکلا ہے جو خدا کے قہر و جلال و ہیبت و جبروت کو یاد کر کے دنیا میں روئے تھے۔ اگر اس پانی کو جہنم میں چھڑک دیا جائے تو فی الفور اس کی تندی و تیزی اور حرارت و گرمی سُست و ٹھنڈی ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے چلے اور پل صراط پر چلنے سے قبل حضور سے بھی سیر جہنم کی اجازت مانگی۔ حضور نے ہم لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر سیر جہنم کی اجازت دے دی۔

سیرِ جہنم

چنانچہ ہم لوگ سب سے پہلے جہنم کے ساتویں طبقہ میں پہنچے جو نہایت ہی پر پیچ اور خطرناک راستوں کے بعد واقع تھا۔ راستہ میں جابجا اونچے نیچے ٹیلے بڑے بڑے نکیلے اور خاردار و خمدار درندگان خونخوار کے پنجوں کی طرح کانٹے، انسانی جامہ (کپڑا) کی دھجیاں اڑا دینے کے لیے اپنے خاراشگاف چنگلوں کو ہر طرف بڑھائے ہوئے تھے۔ تاریکی اور ظلمت کا یہ عالم تھا کہ شب دیجور کا منہ سیاہ ہوتا تھا۔ قبر یہود و گور مجوس میں یہیں کی تاریکی اور سیاہی کی ادنیٰ جھلک پڑتی تھی۔

لیکن خدا کے فضل و کرم سے ہم لوگوں کے پاس اس کے بچاؤ کا کافی سامان موجود تھا اور روشنی بھی مناسب تھی۔ جس کی وجہ سے کچھ تکلیف نہیں ہوئی اور ہم لوگ بآسانی اس قعرعمیق میں جو ایک بڑے خطرناک مگر پہاڑ سے دیو کی طرح منہ پھاڑے ہوئے تھا (وہاں) پہنچے۔ اس کی دیواریں تاحد نظر اوپر کو بلند معلوم ہوتی تھیں بلکہ اوپر غایت اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے شعاع بصر ٹکراتی ہوئی قعرعمیق کی تہ میں گر پڑتی تھی۔ نیچے ہر طرف سیاہ آگ کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ بڑے بڑے اژدہا منہ سے شعلہ افشانیاں (آگ اگلنا) کر رہے تھے۔ سیکڑوں بچھو عظیم الشان اور بلند پہاڑوں کے برابر قد و قامت کے ساتھ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے تھے اور زہر آلود نیشوں (ڈنکوں) کو تان تان کر غصے مین اتنے زوروں سے ڈنک مارتے تھے کہ آگ بھڑک اٹھتی تھی اور بڑے بڑے پہاڑ اس کی نیش (ڈنک) لگتے ہی فوراً جل کر خاکستر ہو جاتے تھے۔ اور یہ سب کے سب گنہگاروں اور کافروں کو ڈس رہے تھے۔ اور بہت سے مہیب و ڈراؤنے فرشتے جن کی صورتیں کالی کالی اور آنکھیں بڑی بڑی سرخ انگاروں کی طرح چمکنے والی تھیں۔ جن کے چہروں سے غیض و غضب کے آثار و بے رحمی کے علامات نمایاں تھے۔ اور ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ خداوند قدوس نے انہیں رحم وکرم کا مادہ نہ دے کر رحمت و شفقت کا نام تک نہیں سنایا ہے۔ دوزخیوں کی کندی کرتے نظر آئے۔ ہزاروں سمندر آگ کے ایسے ایسے گہرے کے تحت الثریٰ (زمین کا نچلا طبقہ) سے بھی گذرے ہوئے چیختے چلاّتے انتہائی جوش وخروش کے ساتھ شور مچاتے ہوئے کہ دنیاوالوں کی آنکھ نے خواب میں بھی اس قسم کا لہراتا اور جوش مارتا ہوا خوفناک وخطرناک اندھیرا و تیرہ و تار (گھپ اندھیرا) سمندر نہیں دیکھا، بہ رہے تھے۔ اس میں جو آگ کے شرارے بلند ہوتے تھے تو ہزاروں آدمی بڑے بڑے قوی ہیکل وتنومند (بھاری بھرکم جس والا آدمی) کہ بلا شبہ ان کا جثّہ پہاڑ سے چند گنا بڑا ہوتا تھا۔ چیختے چلاتے شراروں کے ساتھ اوپر کو اڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور پھر بڑی ذلت و خواری کے ساتھ جلتے ہوئے آگ میں گر پڑتے تھے۔ فرشتگان عذاب انگاروں کے گرز اور کانٹے دار؟ جو زہر میں بجھے ہوئے تھے، بڑی بے رحمی و بے دردی کے ساتھ انہیں مار رہے تھے۔ اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اژدہے اور بچھوا تنے زہریلے کہ اگر ان کے زہر کا ایک قطرہ بھی زمین پر پڑ جائے تو ساری زمین جل کر بھسم ہو جائے۔ یہ بچھو اور اژدھے اتنے زوروں سے ڈستے اور ڈنگ مارتے تھے۔ کہ دوزخی بلبلا اٹھتے تھے۔ اور ایک مرتبہ کا ڈسا ہوا برسوں اس زہر کی یکساں تکلیف میں مبتلا رہتا تھا۔

غرض دن رات چوبیس گھنٹے وہ لوگ اسی دردناک والم ناک عذاب میں گذارتے تھے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ جب انہیں بھوک لگتی تھی تو جہنم کے درختوں کے کڑوے کسیلے پھل ان کے منہ میں جو ایک بڑے غار کی طرح پھٹا ہوا ہوتا تھا ٹھونس دیا جاتا تھا۔ جسے وہ اپنے دانتوں سے جو بلا مبالغہ جبل احد (احد کا پہاڑ) کے برابر ہوتا تھا، منہ بنا بنا کر چباتے اور بڑی مشکلوں سے نگلتے تھے۔ جب نہیں نگلا جاتا تھا یا پیاس لگتی تھی تو گرم گرم کھولتا ہوا پانی جس میں نہایت بدبودار پیپ و لہو ملا ہوا ہوتا تھا، بڑے بڑے ٹپوں میں بھر بھر کر ان کے حلقوں میں انڈیل دیا جاتا تھا یہ کھولتا ہوا پانی دوزخیوں کے منہ کے پاس

جاتے ہی ان کے چہرے کی کھالیں اتر جاتی تھیں اور پیتے ہی ان کے پیٹ، حلق اور سینوں میں آگ لگ جاتی تھی اور وہ ہائے ہائے کر کے چلّانے لگتے تھے۔ غرض کہاں تک بیان کروں اور کون سے لفظوں میں ادا کروں کہ کس کس قسم کا عذاب یہاں کے رہنے والے مردوں عورتوں کو ہو رہا تھا۔ یہاں ہر وقت ایک نئے قسم کا عذاب تجویز کیا جاتا اور دیا جاتا تھا۔ اس طبقہ کا نام ہادیہ (جہنم کے سات طبقوں میں سے ایک طبقہ کا نام) ہے اور اس کے رہنے والے منافقین مرد و عورت تھے، جن کا ظاہر باطن ایک نہیں تھا اور جو ادھر کی باتیں ادھر کر کر کے ایک دوسرے میں لڑائی جھگڑا کرا دیتے تھے۔ اور فرعون و ہامان، شداد اور نمرود وغیرہ بھی جہنم کے اسی طبقہ ہادیہ میں تھے۔ یہ لوگ خدائی کے دعویدار تھے۔ اور عجب و تکبر سے کام لیتے تھے۔ اس کے بعد اوپر ایک طبقہ ہے اس میں اگرچہ نیچے والے طبقہ سے ایک گونہ عذاب کم ہے مگر یہاں بھی وہی سامانِ عذاب مہیا تھا ۔ بڑے بڑے مضبوط اور عالیشان مکان سمندر نار میں بنے ہوئے تھے اور جا بجا بڑے بڑے لق و دق بیابان و میدان، گھپ اندھیرے و سُنسان۔ ان میدان میں کہیں کہیں آگ ہی کے کڑوے کسیلے پھل والے کے درخت لگے ہوئے تھے، جو ان جہنمیوں کے کھلانے میں کام آتے تھے۔ عذاب گاہوں میں جا بجا گرم پیپ اور لہو آمیز پانی کی نہریں جاری تھیں ۔ اور ہر سمت سے صدائے شور و فریاد بلند تھی۔ کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں مرد عورت چیخ چلا رہے تھے اور جل جھلس رہے تھے اور ماہی بے آب (پانی کے بغیر تڑپنے والی مچھلی) نہیں نہیں، ماہی بر آتش کی طرح تڑپ رہے تھے اور کباب سیخ کے مانند کروٹیں بدل رہے تھے۔ مگر افسوس! عذاب میں کمی نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی ان کی فریاد رسی کرتا تھا۔ ان کا لباس موٹے موٹے قطران کے کپڑوں کا تھا جو بذات خود آگ کی خاصیت رکھتے تھے اور ان کے کھالوں کی؟ تین تین میل کی تھی۔ جس میں جا بجا گُرزوں اور بھالوں کی مار سے بڑے بڑے ناقابل اندمال گھاؤ (گھاؤ نہ بھرنے والا زخم) غاروں

اور کھائیوں کے جیسے پڑ پڑ گئے تھے، جس میں بجائے مرہم پٹی کے روغن نفت ڈال کر آگ لگادی جاتی تھی۔ اس کے بعد سانپ بچھو اور دوزخی کیڑوں کو اس میں بھر دیا جاتا تھا جو انہیں اور بھی بے چین کرتے رہتے تھے۔ یہ طبقہ کفار و مشرکین مرد و عورت کے لیے مخصوص ہے اور اس کا نام جحیم ہے۔ اس کے رہنے والے وہی لوگ تھے جو خداوندر ب العزت کا انکار کیا کرتے تھے۔ یا اس کے ساتھ دوسروں کی مثلاً دُرگا، دیوی، کالی بھوانی، پیڑ پیپل، مٹی، اینٹ، پتھر، سورج، چاند، دریا، پہاڑ، آگ، پانی، گائے، بیل، دیو، پری، انسان وغیرہ نیز دیگر لا یعقل (بے عقل) و بے جان و بے حس، اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کی جنہیں اپنے جسم سے مکھّی اڑانے کی بھی طاقت نہیں ہوتی تھی، جن کے یہ خود ہی بنانے والے ہوتے تھے۔ ان کی پوجا کیا کرتے تھے ان سب کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے تھے۔ جو خود ان کی دستگیری اور مدد کے محتاج تھے۔ یہ لوگ عجیب احمق اور اندھے تھے جو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اور جو بعض سمجھتے بھی تھے اور ان چیزوں سے دست بردار بھی ہوتے تھے تو سرے سے خدا ہی کا انکار کر بیٹھتے تھے یا روح، مادہ، عالم وغیرہ بیسیوں چیزوں کو قدیم (وہ چیز جو کبھی فنا نہ ہونے والی ہو) مان کر خدا کا مد مقابل ٹھہرا لیتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ سب کے سب اپنے باطل معبودوں کے ہمراہ عذاب جحیم میں گرفتار تھے۔ بعد ازاں ہم لوگ اس سے اوپر والے طبقہ میں آئے یہ طبقہ ان دونوں طبقوں سے اگرچہ چھوٹا ہے لیکن عذاب میں یہاں بھی کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ ہر سمت وہی آگ کا دریا، کھولتے پانی کی نہریں اور پیپ و لہو کے چشمے جاری تھے۔ اس کے رہنے والے صائبین مرد و عورت تھے جو چلیسپا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور اس کا نام سقر ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر اس طبقہ میں ہم لوگ پہنچے جس میں خدا کی خبیث و نالائق اور مردود مخلوق مع اپنی ذرّیات (آل واولاد، چیلے چپاٹے) کے موجود تھی۔

یہ طبقہ اگرچہ طبقات ماسبق (پہلا، گذرا ہوا) کے اعتبار سے دیکھنے میں بہت

معمولی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن در حقیقت اس میں ہر جگہ سے لگاؤ ہونے کی وجہ سے یہ نہایت دردناک و خوفناک عذاب گاہ بن گیا تھا۔ اس میں شیطان اور اس کی ذرّیات انسان و جنّات میں سے اور شیطانی پیغمبر لوگ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی، اسود عنسی، مسیلمہ کذّاب وغیرہ مبتلائے عذاب تھے، جو انسان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے اور خطرے ڈال ڈال کر معصیت و نافرمانی خداوندی کے واسطے آمادہ و تیار کیا کرتے تھے۔ اور بھلی باتوں سے لوگوں کو روکا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سب کے سب اس میں رات دن سخت تکلیف میں مبتلا تھے اور اس کا نام حُطمہ ہے۔

اس سے اوپر جو طبقہ ہے اس کا نام لظیٰ ہے۔ اس کی آگ بہت تیز اور بھڑکتی ہوئی ہے۔ ذراسی لپک سے کھال اتر جاتی ہے اور گوشت ہیزم در آتش (آگ میں لکڑی) کی طرح جلنے لگتا ہے۔ اس میں بھی بڑے بڑے زہریلے سانپ اور بچھّو موجود ہیں کہ جن کے زہر کا اگر ایک قطرہ بھی دنیا کی کسی چیز پر پڑ جائے تو ساری دنیا تباہ و برباد ہو جائے، جو یہاں کے رہنے والوں کو ڈس اور ڈنگ مار رہے تھے اور ایک نہایت خوفناک تاریکی ان لوگوں کو (محیط گھیرے ہوئے) تھی۔ یہاں کروڑوں اور لاکھوں کی تعداد میں یہودی اور آتش پرست مرد عورتیں دم توڑ رہے تھے۔ مگر آہ! موت بھی ان سے آنکھیں چراتی تھی اور پاس آنے سے ڈرتی تھی اور اس مصیبت میں کوئی بھی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی کام آتا تھا۔

بعد ازیں ہم لوگ اس مقام پر پہنچے جو سعیر کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں بھی بہت سے مرد و عورت نہایت ذلت و خواری کے ساتھ دردناک عذاب میں مبتلا اور آگ کا کپڑا پہنے ہوئے مصروف ماتم نظر آئے۔ یہ عیسائی اور نصاریٰ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ تھے۔ جو در حقیقت عیسائی تو نہیں تھے۔ اور نہ ہی اقانیمِ ثلثہ مثلاً۔ اب، ابن اور روح القدس کے مہمل اور لغو جھگڑوں میں عیسائیوں کی طرح پڑے ہوئے

تھے اور نہ ہی خدا کے مقدس اور برگزیدہ پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرح خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ بلکہ عیسائیوں کو سراہتے تھے اور انہیں دنیا میں سب سے بہتر اور اچھی قوم تسلیم کرتے تھے۔ ان کی وضع قطع، ان کی چال ڈھال اور ان کا رنگ ڈھنگ اختیار کیے ہوئے تھے۔ اور در حقیقت یہ لوگ اسلام سے بیزار تھے۔ چنانچہ وہ لوگ تو اپنے کفر و شرک کی وجہ سے اور یہ لوگ ان کی مشابہت کی وجہ سے گرفتار عذاب تھے۔

اس کے بعد ہمارا گذر سب سے اوپر والے طبقہ میں ہوا جس کا نام جہنّم ہے۔ اس میں گوکہ سب طبقوں سے عذاب کم ہے، تاہم ستّر ہزار دریائے آتشیں موجزن ہیں۔ تاریکی و سیاہی ہر چہار جانب سے محیط ہے اور بڑے بڑے سانپ اپنے پھنوں سے زہر آگ کے شراروں کی طرح اگل رہے ہیں۔ بچھو اور دیگر عجیب الخلقت جانور اپنے اپنے نیشوں (ڈنکوں) سے جہنمیوں کو مارتے پھرتے ہیں اور ایک عجیب شور و ہنگامہ برپا ہے۔ کوئی کراہ رہا ہے۔ کوئی چیخ اور چلا رہا ہے۔ کہیں سے فریاد اور آہ وزاری کی خوشامدانہ آوازیں آرہی ہیں تو کسی جانب سے ڈانٹ ڈپٹ کی دل دہلا دینے والی صدائیں سنائی دے رہی ہیں۔ کوئی پانی مانگ رہا ہے تو کوئی کھانے کے واسطے گڑگڑا رہا ہے۔ کوئی گرما گرم بدبودار پیپ اور لہو پی کر خون و پیپ قے کر رہا ہے۔ کسی کے حلق میں کڑوا کسیلا کھانا اٹکا ہوا ہے تو کسی کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے۔ کوئی پہاڑوں سے گرایا جا رہا ہے۔ کسی کا پیٹ سوج کر پہاڑ کے مانند ہو گیا ہے اور انتڑیوں میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے کاٹ رہے ہیں۔ چنانچہ یتیموں اور بیواؤں کا مال ظلماً کھانے والوں کے پیٹوں میں آگ روشن تھی اور منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔ سود و بیاج اور حرام کھانے والوں کا بھی قریب قریب یہی حال تھا۔ اور جو لوگ کہ مسلمان پارسا و صالحہ عفیفہ عورتوں کو جھوٹی تہمت دیتے اور ان پر زنا کا جھوٹا الزام لگاتے تھے، ان کی صورتیں تو نعوذ باللہ من ذالک (ان سے اللہ کی

پناہ) سُوروں سے بھی بدتر ہوگئی تھیں اور وہ دوزخیوں کے پاخانے پیشابوں میں کیڑے مکوڑوں کی طرح بلبلاتے پھرتے اور ان کے بدنوں پر غلیظ و بدبودار کپڑے پڑے ہوئے تھے اور آگ کے اندر جل بھن رہے تھے۔

غرض ایک عجیب و غریب مصیبت کا عالم تھا اور چیخ و پکار سے آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ بڑے بڑے زنجیروں کی خوفناک جھنکار اور کڑیوں کی ہیبت ناک آوازیں کہ اگر دنیا میں اس کی ایک کڑی بھی آجائے یا آواز سنائی دے تو ساری دنیا اور دنیا کے پہاڑ جل کر بھسم اور چکنا چور ہوجائیں اور ساکنان دنیا پر موت کی بیہوشی طاری ہوجائے، سنائی دے رہی تھیں۔ ہم لوگوں نے اس دل گداز اور جاں گسل منظر کو دیکھ کر داروغہ جہنم سے، جس کے چہرے سے غیض و غضب کے آثار نمودار تھے، سرخ سرخ انگارے جیسی آنکھوں سے قہر و غضب ظاہر تھا، بے رحمی و سخت دلی کچھ اس طرح ٹپک رہی تھی کہ دیکھ کر خواہ مخواہ ڈر معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کی خوفناک صورت کو دیکھ کر دل تھرّا اٹھتا تھا۔ چنانچہ اس کی سخت دلی کا اندازہ اسی سے ہوتا تھا کہ یک بیک ہزاروں آدمیوں کی دردناک آوازیں آتی تھیں کہ اے داروغہ! رحم کرو۔ اب سارا جسم جل گیا، ہڈیوں میں آگ لگ گئی۔ آہ! اب طاقت نہیں ہے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ یا اگر سنا بھی تو ان کی دردناک آوازوں سے اس کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا اور انتہائی طیش میں آکر اس نے حکم دیا کہ اور زیادہ عذاب کرو۔ ابھی کچھ نہیں ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ نہایت سخت فرشتہ تھا۔ دریافت کیا کہ اے مالک جہنم! یہ کون لوگ ہیں جس کی دردناک آوازیں اور دل ہلا دینے والی صدائیں ہمارے دلوں کے پار ہوئی جاتی ہیں اور ان کے رونے اور چیخنے چلانے سے ہمارے سینے پھٹے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ہمارے اس سوال کا جواب نہایت کرخت (سخت) لہجے اور تکبّرانہ انداز میں یہ دیا کہ یہ آپ کے مسلمان حضرات ہیں جن کی ذات سے اسلام بدنام ہوا اور جنھوں نے اپنی بدفعلی کی وجہ سے اسلاف کے نام میں بٹّہ

لگایا (بدنام اور رسوا کرنا) اور رات دن گناہوں میں مشغول رہے۔ چوری کیا، ڈاکہ دیا، یتیموں کے مال کھائے، زنا کاری کیا، جوا کھیلے، ماں باپ کی نافرمانیاں کیں، جھوٹ بولے، غیبت کیا، عفیفہ اور صالحہ عورتوں کو زنا کی جھوٹی تہمتیں لگائیں اور جھوٹی گواہیاں دی۔

غرض دنیا بھر کے عیوب و قبائح (برائیوں) کے مرتکب اور خداوند قدوس کی نافرمانی و معصیت میں مشغول و منہمک رہے۔ مختصر یہ کہ آپ کو کہاں تک گناؤں اور بتاؤں؟ صرف اتنا سمجھ لیجیے کہ یہ مسلمان بڑے بڑے جرائم پیشہ اور گنہگار لوگ ہیں جو بغیر توبہ کیے ہوئے دنیا سے چلے آئے۔ ہم نے کہا: اے مالک جہنم! ان کے درد بھرے الفاظ اور الم انگیز نالہ و فریاد سے ہمارا دل کانپ گیا۔ للہ تو انہیں چھوڑ دے اور مہربانی کر! یا نہیں تو ان کے عذاب مین تخفیف کر دے۔ اس نے ہماری بات کو لاپروائی سے ٹالتے ہوئے کہا: میرے دل میں خدا نے رحم و کرم دیا ہی نہیں اور لطف مہربانی کس چیز کا نام ہے؟ میں جانتا تک نہیں۔ میرے پہلو میں خدا نے فولاد کا دل دیا ہے جس پر ان کی آہ و زاری اور گڑگڑاہٹ کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ کہ جب تک ان لوگوں کی میعاد پوری نہ ہو جائے گی اس وقت تک ان لوگوں کا چھوٹنا محال ہے۔ پھر ہم نے مالک سے پوچھا کہ قیامت قائم ہوئے اتنا دن ہو گیا۔ کیا اب تک ان لوگوں کی مدت پوری نہیں ہوئی؟ مالک نے کہا: جناب آپ کس خیال میں ہیں۔ ابھی ان لوگوں کو حقبوں اس جہنم میں رہنا پڑے گا۔ پھر ہم نے اس سے دریافت کیا صاحب یہ حقبہ کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا حساب ہے؟ کے روز کا ایک حقبہ ہوتا ہے؟ مالک نے ہماری اس گفتگو پر ایک خوفناک تبسم اور (طنزیہ قہقہہ لگا کر کہا: اللہ آپ دن کو پوچھتے ہیں؟ یہ مت کہیے بلکہ کتنے لاکھ اور کروڑ برس کا ایک حقبہ ہوتا ہے۔ ہم لوگوں نے ڈر کر کہا: کیا واقعی حقبہ ہزاروں لاکھوں برس کا ہوتا ہے؟ اس پر مالک نے کہا: ہاں اور کیا؟ ایک حقبہ اسی برس کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن یہاں کا دنیا کے برسوں سے ہزار برس کے

برابر ہے۔ بس آپ سمجھ لیجیے کہ ایک حقبہ کتنے برس کا ہوتا ہے میں نے دریافت کیا۔ کیا گنہگار مسلمانوں کے لیے بھی حقبہ کا یہی حساب ہے؟ اس نے کہا: نہیں ان کے لیے ایک حقبہ سترہ ہزار برس کا ہے اور یہ متناہی (محدود) ہے۔ اتنا کہ کے مالک جہنم اور دوسرے کام میں مشغول ہونا چاہتا تھا کہ ہم نے بڑھ کے کہا کہ آپ اگر ان لوگوں کے عذاب میں تخفیف نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم ہمیں خاص خاص قیدیوں کو ہی دکھلا دیجیے تاکہ ہمیں پوری طرح یقین اور اطمینان ہو جائے کہ فی الواقعی یہ لوگ گنہگار مسلمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ہمارے سے ہم میں سے) طرح طرح کے جرائم پیشہ مثلاً بے نمازی، بے روزہ دار، اور زکوٰۃ نہ دینے والوں وغیرہ کو دکھلایا۔

منجملہ اس کے اس نے ایک حجرہ کھولا جس میں ہزاروں قسم کے سانپ اور بچھو بھرے ہوئے تھے۔ آگ بھڑک رہی تھی اور ہزاروں لاکھوں آدمی اس میں مقید تھے۔ وہ لوگ جب اس تکلیف سے گھبرا جاتے تھے تو ایک آدمی کے کاندھے پر سیکڑوں آدمی چڑھ کر نکلنے کی کوشش کرنے لگتے تھے۔ اور کنارے کے قریب پہنچ کر وہ سب کے سب ایک آگ کے کنوئیں میں گر کر شور و فریاد کرنے لگتے تھے۔ پھر اسی طرح دوسری مرتبہ نکلنے کی تیاری کرتے تھے اور جوں ہی کنارے کے قریب پہنچتے تھے کہ وہ نیچے والا سب کو لے کر کنوئیں میں گر پڑتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ اے مالک! یہ کون لوگ ہیں اور ان پر یہ عذاب کیوں مسلط ہے؟ اس نے کہا: مت پوچھو یہ کون لوگ ہیں۔ ارے یہ بڑے حضرت ہیں۔ یہ پیشہ ور اور جاہل پیر ہیں جو کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کر لوگوں کو مرید کرتے پھرتے تھے اور پیری مریدی کو حصول معاش کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ اور روپیہ لے کر کسی کو تو نماز کی معافی کا پروانہ لکھ دیتے تھے۔ اور کسی کو یہ دھوکا دیتے تھے کہ لاؤ روپیہ دو تو ہم جبرئیل بھائی کے پاس خط لکھ کر تمھارے واسطے جنت میں زمین خرید وا دیں گے اور کہیں تو یہ جاہل اور پیشہ ور پیر دکھانے کے لیے خوب خوب نمازیں پڑھتے

تھے۔حالانکہ ان کا دل فریب وریاکاری اور مکاری و دغابازی سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔اور اگر کسی مرید کی کوئی خوبصورت حسین وجمیل لڑکی یا رشتہ دار پر دل آجاتا تھا تو یہ پیر اپنی ہوس رانی کا ناجائز طور پر اس کو بھی شکار بنالیتے تھے۔کبھی علمائے کرام کو قرآن مجید میں تحریف کا الزام دے کر گالی گلوج دیتے تھے۔ غرض جب جیسا موقع دیکھتے ویسا کام کرتے تھے۔اور یہ ان کے مریدین ہیں جو جان بوجھ کر ان کا ساتھ دیئے ہوئے تھے اور ان کی تعریف کرکر کے دوسروں کو بھی ان کے دام تزویز (فریب کا جال) میں پھنسا یا کرتے تھے۔ اور یہ کہ کنواں ویلؔ ہے جو ریاکاروں کی جگہ ہے۔ہم نے مالک سے کہا: جناب! آپ تو ان کے مریدوں کو بے فائدہ الزام دیتے ہیں ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ ایسے لوگ ہیں۔ ان غریبوں کے پاس تو کوئی کسوٹی تھی نہیں جس پر یہ سچے اور جھوٹے کو پرکھتے۔ان کو تو صرف اتنا معلوم تھا کہ۔

هر کرا جامهٔ پارسا بینی　　پارسادان و نیک مرد انگار

یہ بے چارہ مرید جس کو اچھوں کا کپڑا پہنے ہوئے دیکھتے تھے اس کو نیک بخت سمجھتے اور اس کی پیروی کرنے لگتے تھے۔ ہماری اس بات پر پھر اس نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور کہا: جناب: آپ تو بالکل بھولے معلوم ہوتے ہیں۔کیا یہ لوگ اس کو نہیں جانتے تھے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس ز بہر نشاید داد دست؟

اور کیا یہ مثل مشہور نہیں تھی کہ" پیر کرو جان کے، پانی پیو چھان کے" ہم نے کہا: ہاں جناب! یہ تو معلوم ہے لیکن اچھے برے، سچے جھوٹے کی تمیز کیسے ہو سکتی تھی اور یہ کس طرح جان سکتے تھے کہ یہ اچھے اور نیک پیر ہیں اور یہ برے پیر ہیں اس نے کہا: صاحب! یہ کون بڑی مشکل تھی۔ اس کو تو نہایت آسانی سے معلوم کر سکتے تھے۔ پہلے اس کو دیکھتے کہ پیر کہاں تک متبع شریعت ہے۔اس کے دل میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی محبت ہے۔ اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہے یا نہیں۔ ان کی تعظیم

وتوقیر کا قائل ہے یا نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کے محبوب کو جان ودل سے عزیز ومحبوب رکھتا ہے یا نہیں۔ اور ان کے آل واولاد، اصحاب وانصار اور ان کے محبت کرنے والے بزرگوں سے محبت رکھتا ہے یا نہیں۔ ان کے علاوہ ان کے بتائے اور کیے ہوئے طریقوں پر چلتا ہے یا نہیں۔ بس یہی تین چار باتیں اور علامتیں خدار سیدہ بزرگ ہونے کی ہیں۔ اور کیا ولی وبزرگ ہونے سے انسان میں کوئی سرخاب کا پر لگ جاتا تھا۔ ہم نے کہا: ہاں جناب: اب ہم بھی سمجھ گئے۔ اور یہی تو ایک زبردست اور آخری کسوٹی ہے جو کہ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر دیتی ہے اچھا چلیے اور اب دوسرے کو دکھلائیے۔

اس نے ایک دوسرا دروازہ کھولا۔ اس میں بہت بڑے بڑے نامی گرامی مولوی ولیڈر تھے جو دنیا میں اپنے زور تقریر اور سحرالبیانی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ قوم کے رہنما کہلاتے تھے۔ اور ان کی فلاح و بہبود کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر خوب چندے وصول کیا کرتے تھے۔ اور سب اپنی ضرورتوں میں خرچ کر ڈالتے تھے۔ انہیں قوم کی تباہی کی کوئی پروانہیں تھی۔ ان کو تو صرف اپنے حلوے مانڈے سے مطلب تھا۔ روپے چندے سے ضرورت تھی۔ قوم ان کے اعتماد پر تباہ وبرباد ہوئی۔ ذلت کے قعرعمیق میں جاگری۔ مگر یہ اپنا عیش کرتے رہے۔ ان کے گاڑھے پسینہ کی کمائیوں کو اپنی نفسانی خواہشات کے لیے پانی کی طرح بہاتے رہے۔ چنانچہ ان کے پیٹ اس حرام خوری کی وجہ سے پھول پھول کر کپا ہو گئے تھے۔ اور اس میں آگ بھڑک رہی تھی داروغہ جہنم نے کہا کہ یہ لوگ مہذب ڈاکو ہیں جو دن دہاڑے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ڈالا کرتے تھے۔ بعد اس کے اس نے پھر ایک عظیم الشان پھاٹک کھولا جس میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور سیکڑوں آدمی جن کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ دنیا میں کوئی بڑے عہدیدار تھے اور ان کی بہت کچھ عزت وشہرت تھی۔ چنانچہ وہ لوگ آگ کی گاڑیوں پر دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ اور اتراتر کے ہر ایک

کے پاؤں پر سر رکھ کے کچھ اس طرح خوشامد کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ان معمولی لوگوں کے زر خرید غلام ہیں اور بہت خوشامد و گڑگڑاہٹ کے بعد صرف اتنا کہتے تھے کہ ووٹ ووٹ! ہم اس واقعہ کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے! عالم آخرت میں بھی ووٹ کا جھگڑا ہے۔ داروغہ جہنم نے ہمیں متعجّب دیکھ کر کہا: جناب! یہ ممبران بورڈ و کونسل اور دیگر عمال ہیں جو اپنی ممبری و نوکری اور نام آوری کے لیے دنیا میں لوگوں کی خوشامدیں کرتے پھرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ہم قوم کی فلاح و بہبود کی صورت نکالیں گے لیکن ووٹ و ممبری یا نوکری کے بعد جب یہ کونسل و بورڈ کے ممبر بن کر حکومت کی کرسیوں پر جلوہ گر ہوتے تھے تو بجائے فائدہ کی بات سوچنے اور بھلائی کی صورت نکالنے کے قوم و ملت کو اور بھی نقصان پہنچاتے تھے۔ اور شریعت میں بے جا مداخلت کرا کے اس کی تائید کیا کرتے تھے۔ اور کامل و مکمل مذہب اسلام میں اپنی طرف سے ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے تھے۔ اور اپنے کو نعوذ باللہ منہا! خدا اور رسول سے بھی زیادہ عقل مند سمجھتے تھے۔ اور یہ جو لاکھوں کی تعداد میں لوگ عذاب میں مبتلا ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو یہ جان بوجھ کر کہ یہ لیڈر لوگ ہمیں نفع کے عوض نقصان پہنچائیں گے۔ مذہب کے خلاف قانون بنائیں گے۔ یہ صرف اپنی عزت و شہرت کے خیال سے دوڑے دوڑے خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں قوم کی ہمدردی اور مذہب کا پاس و لحاظ بالکل نہیں ہے۔ محض ایک پیٹ اور ایک وقت کھانے کے یا دو چار روپے کے لالچ یا بیجا مروت و محبت میں آکر اپنی قومی امانت ووٹ کو ان نااہلوں اور اسلام سے بیگانوں کو دے کر اپنا ہادی و پیشوا تسلیم کر کے قوم کے اور اپنے گلے پر آپ چھری پھیرتے تھے۔ ہم نے کہا: سمجھ گئے، اب اسے بند کیجیے۔

چنانچہ اس نے اسے بند کیا اور ایک دوسرا دروازہ کھولا جس میں ہزاروں لاکھوں آدمی آگ کے دنگلوں پر کشتی لڑ رہے تھے۔ اور آگ کے نیزوں بھالوں سے ایک

دوسرے کو مار مار کر زخمی کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ حضرت! یہ عجیب احمق لوگ ہیں کہ اس تکلیف میں بھی آپس کی لڑائی بھڑائی سے باز نہیں آتے۔ داروغہ نے کہا: جی ہاں! آپ بظاہر اس کو حماقت سمجھتے ہیں لیکن دنیا میں یہ لوگ اسی کو عقل مندی سمجھتے تھے اور در حقیقت بات یہ ہے کہ جب تک یہ لوگ ایسا نہیں کرتے تو انھیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور یہ کوڑیوں کے مول بھی مہنگے ہوتے۔ اجی یہ وہ لوگ ہیں نہ کہ دنیا میں جب کوئی نئی بات ہوتی یا کوئی امر رونما ہوتا تھا تو جھٹ یہ دو پارٹی کر کے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ کر دو کتوں کی طرح جھگڑنے لگتے تھے اور ایک دوسرے کی برائی بیان کر کر کے اپنا پیٹ پالتے پھرتے اور روپیہ جمع کرتے پھرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ قوم تباہ و برباد ہوتی تھی اور یہ مزے اڑاتے تھے۔ بس ان کا بھی مسلک یہی تھا کہ "مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں ہمیں حلوے روٹی سے مطلب ہے"۔

پھر اس کے بعد اس نے ایک دروازہ اور کھولا جس مین عجیب و غریب تماشہ نظر آیا یعنی کچھ مرد عورت ایسے نظر آئے کہ ان کی بڑی بڑی ناکوں کو کچھ عورتیں اور بچے بڑی بیدردی کے ساتھ آگ کے استروں اور چھریوں سے کاٹ رہے تھے۔ اور ان پر سب سے زیادہ عذاب تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورتیں اور بچے بھی عذاب میں مبتلا تھیں۔ آگ کی لپک اور انگارے انھیں اوپر اور نیچے سے چھپائے ہوئے تھے۔ سانپ اور بچھو انھیں ڈس رہے تھے۔ مختصر یہ کہ عورت مرد دونوں سخت عذاب میں گرفتار تھے۔ ہم اس حیرت انگیز و تعجب خیز تماشے کو دیکھ کر دل میں سوچ رہے تھے کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ عورتیں اور بچے مردوں کی ناک کاٹ رہے ہیں۔ اور یہ مردے بھی عجیب بزدل ہیں کہ ان عورتوں کو کچھ نہیں کہتے۔ ابھی ہم اسی شک و شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ داروغہ جہنم نے خود ہی کہا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو دنیا میں اپنے کو نعوذ باللہ منہا۔ رسول و نبی سے بھی بڑھ کر شریف سمجھتے تھے۔ ہم نے سنتے ہی کہا: جناب! آپ کا یہ

گمان مجھے درست نہیں لگتا۔ کیوں کہ دنیا میں کوئی ایسا مسلمان نہیں تھا جو اپنے کو رسول سے کیا رسول پاک کے غلاموں سے بھی بڑھ کر شریف سمجھتا ہو۔ ہماری اس گفتگو کو سن کر مالک نے غصہ میں آکر کہا کہ نہ معلوم آج آپ لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی ہے، جو نہیں سمجھتے ہیں۔ ارے جناب! یہ شرفا ہیں شرفا اور کیسے شرفا؟ جن کے گھروں میں پوشیدہ زنا کاریاں ہوتی تھیں اور حمل ساقط کرائے جاتے تھے۔ ہم نے کہا جناب! آپ تو یہ عجیب بات کہتے ہیں۔ شرفا اور یہ واہیات حرکت! اس نے کہا: جی ہاں! سنیے تو یہی یہ لوگ وہ ہیں جو بیواؤں کی شادی کو عار سمجھتے تھے اور شرافت کے خلاف جانتے تھے۔ اس میں ان کی ناک کٹتی تھی۔ چنانچہ ان کے اس ظلم کی وجہ سے ان کی یہ شریف زادیاں جو یہاں ان کی ناک کاٹ رہی ہیں، ان شریف زادوں کو پیدا کرتی تھیں جنہیں آپ دیکھ رہے ہیں اور جو اپنی ماؤں کے ساتھ مل کر ان کی قطع و برید (کاٹ چھانٹ) میں مشغول ہیں۔ سمجھ گئے آپ ان شریفوں کو۔ ہم نے کہا: جی ہاں! آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو رسول سے بھی بڑھ کر شریف سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے بجز ایک کے سب بیواؤں ہی سے عقد فرمایا تھا۔ اور برابر عقد بیوگان (بیوہ عورتیں) کی تاکید فرماتے رہتے تے۔ اگر نکاحِ ثانی باعثِ ننگ و عار ہوتا تو حضور خود اس کو نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اپنی طلاق یافتہ صاحبزادیوں کا دوسرا نکاح کرواتے۔ فی الحقیقت یہ لوگ نہایت نالائق تھے جو فعل رسول کو حقارت سے دیکھتے اور اس کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔

پھر اس نے ایک تنگ و تاریک مکان کھولا جو نہایت خوفناک اور خطرناک تھا۔ اس میں سانپ اور بچھو عجیب عجیب قسم کے دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ تاریکی اور سیاہی کے وجہ سے اگرچہ کچھ دکھائی نہیں پڑتا۔ ہم روشنی میں جو غور کر کے دیکھا تو اف کیا بتاؤں! ہمارا کیا حال ہو گیا۔ یہاں رہنے والوں کے عذاب کو دیکھ کر ہم ایک حیرت و استعجاب کے عالم میں پڑ گئے۔ یہ لوگ دنیا میں بڑے بڑے صاحب دولت و امارت

تھے۔ ان کے سروں پر کلاہِ سروری و تاجِ شاہی زیب دیتا تھا۔ لیکن یہ لوگ آج آگ کا لباس آگ کا تاج اور آگ کا جوتا پہنے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا نخوت پسند اور متکبر دماغ کھول رہا تھا۔ ہائے یہ وہ لوگ تھے جن کے قبضہ و تصرف میں دریا، سمندر، ندیاں، نہریں، غلے، اناج، روپے پیسے، دھن دولت سب کچھ تھا۔ مگر آہ! آج یہ دانے دانے کو محتاج اور قطرۂ آب کے لیے بیتاب تھے۔ آہ! ایک دن یہی لوگ تھے کہ ان کی خدمت کے لیے لاکھوں غلام اور لونڈیاں، ہزاروں نوکر چاکر دن رات کمر بستہ رہتے تھے۔ انہیں حریر و ریشم کے لباسوں اور نرم نرم مخمل کے گدیوں پر بھی تکلیف ہوتی تھی۔ مگر افسوس! آج کوئی بھی ان کے شور و فریاد کو سننے والا نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی ان کے چیخنے چلانے پر توجہ کرتا تھا۔ بجز اس کے کہ چند جہنم فرشتے جن کی صورتیں نہایت ہی ڈراؤنی اور خطرناک تھی وہی آ اور جا رہے تھے اور بجائے خدمت کے ان صاحب حکومت و ثروت مرد عورتوں کی مرمت کر رہے تھے۔ چنانچہ ان بادشاہوں اور امیروں کے ساتھ جو اپنی رعایا اور محکوموں پر بلاوجہ ظلم و ستم کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو اپنے گھروں پر حاکم تھے۔ اہل و عیال بیوی بچوں پر حکومت و اثر رکھتے تھے۔ لیکن انہیں خدا کی نافرمانی اور بری باتوں سے نہ باز رکھتے تھے اور اچھی باتیں سکھاتے تھے اور اپنی محکوم عورتوں کو بلاوجہ طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیتے اور غریب و بے زبان عورتوں پر قسم قسم کے ظلم و ستم ڈھایا کرتے تھے۔ اپنی بیویوں، لونڈیوں اور غلاموں کو مفت و بے قصور مار ڈھار کیا کرتے اور گالی گلوج دیا کرتے تھے۔ اور خدا کی کمزور و ضعیف مخلوق کو اپنے عیش و آرام کے لیے خواہ مخواہ ادنی ادنی باتوں پر تکلیف دیا کرتے تھے۔ اور انہیں چوپایوں سے بھی بڑھ کر حقیر و ذلیل سمجھتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ سب کے سب آج انہیں بداعمالیوں اور بدکرداریون کا خمیازہ بھگت رہے تھے۔

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا جس میں ہزاروں لاکھوں آدمی آگ کی

کوٹھریوں میں بھرے ہوئے صدائے ہائے ہو سے آسمان کو اپنے سروں پر اٹھا رہے تھے اور جہنم فرشتے انہیں لٹا لٹا کر آگ کی کند چھریوں سے ان کی زبانوں کو کاٹ رہے تھے ۔اور آگ کے انگارے ان کے منہ میں ٹھوس رہے تھے ۔ یہ وہ لوگ تھے جو باعمل علمائے اسلام اور صوفیائے کرام کی تحقیریں کیا کرتے اور بلاوجہ اور بے سبب انہیں گالیاں دیا کرتے اور برا بھلا کہا کرتے تھے ۔ غرض اسی طرح کبیرہ صغیرہ گناہ کرنے والے لوگ جو دنیا سے بلا توبہ کیے ہوئے کوچ کر گئے تھے ۔ سب یہاں گرفتار بلا تھے ۔ ہم نے داروغہ جہنم سے دریافت کیا کہ جناب !آپ نے تو آج ایسی ایسی جگہ اور ایسے ایسے قیدیوں کو دکھایا کہ ان میں سے بہتوں کا ذکر تو ہم نے کسی کتاب میں دیکھا ہی نہیں ۔ داروغہ نے کہا: جناب !آپ کو خیال نہیں ہے قرآن مجید میں سب کا مجملاً (مختصر طریقے پر) ذکر موجود ہے اور ان جگہوں کا بھی اجمالاً تذکرہ ہے جس کو آپ نئی سمجھے ہوئے ہیں ۔ دیکھیے جہنم کے ٹکروں اور اس کے رہنے والوں کا ذکر قرآن مجید میں صاف موجود ہے:فخلف من بعد هم خلف اضاعوا الصلوة و اتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا.

اور ان کے بعد ان کی جگہ کچھ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑے پس عنقریب وہ دوزخ میں غَـے کا جنگل پائیں گے ۔

اور دوسری جگہ ہے ۔فو يل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون الذين هم يراء ون و يمنعون الماعون.

پس ویل ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں کو بھولے بیٹھے ہیں اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے)بس اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے ایک شہر کے مختلف مشہور مشہور محلوں کو اور اس کے چند معزز لوگوں کو بتا دیا گیا ہو اور اس کے علاوہ سے سکوت کر لیا گیا ہو تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس شہر میں محلات مذکور کے علاوہ اور کوئی محلہ ہی نہیں ہے اور ان معززین کے سوا دوسرا کوئی معزز ہی نہیں ہے ؟ ایسا ہرگز نہیں ۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مشہور اور بڑے بڑے مجرمین اور ان کے جائے قیام کو سمجھانے کے لیے مثال کے طور پر بتادیا تھا باقی آدمی خود ہی نیکی بدی اور اس کے اوپر مرتب ہونے والے عذاب اور ثواب کو اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اور بھی چاہا کہ چوروں، خائنوں، قطع رحمی کرنے والوں اور دغاباز تاجروں، کم ناپنے تولنے والے ٹھگوں اور بے ایمانوں وغیرہ کو بھی دکھلائے۔ لیکن چونکہ اب ہم خود ہی دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے تھے۔ اور ان لوگوں کے دردناک والمناک عذابوں کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ اس وجہ سے باہر نکل آئے اور پھر میدان قیامت کی طرف جو نگاہ کیا تو جوں کا توں ہجوم نظر آیا۔ عبد و معبود سے مکالمہ اور محبوب و محب کا ناز و انداز بدستور جاری تھا۔ حضور سجدے میں پڑے ہوئے بخشش کے طلب گار اور ایزد غفار کی جانب سے بخششیں بے حساب و بے شمار ہو رہی تھیں۔ جہنم سے جلے بھنے کالے کالے لوگ غول کے غول اور غٹ کے غٹ نکل نکل کر آتے جاتے اور نہر الحیات میں نہا دھو کر صاف شفاف اور خوبصورت ہوہو کے جنت کی طرف دوڑتے ہوئے چلے جارہے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جن کی صورتیں نہایت ہی نورانی اور مقدس تھیں ۔ وہ لوگ حضور رب العزت میں کھڑے ہوئے محو جمال باکمال رب ذوالجلال تھے۔ اور ان سے بار بار کہا جارہا تھا کہ جاؤ جنت میں جاؤ لیکن وہ ہر بار جنت میں جانے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے۔

شعر

ایسی جنت کو کیا کرے کوئی　　　جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

پروردگار! ہمیں جنت کی خواہش ہے اور نہ حور سے مطلب۔ خداوندا! میں نے عبادت و ریاضت اس لیے نہیں کیا ہے کہ حور لوں اور جنت میں جاؤں۔ بلکہ میرا ارادہ کچھ اور ہی ہے جسے تو خوب جانتا ہے۔ مولا تو بہتر جانتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ خداوندا

مجھے عذابِ جنت میں مت ڈال۔ جنت سے کہیں بڑھ کر یہی ہے کہ ہم اس جگہ کھڑے ہو کر تجھ کو اور تیرے محبوب کو دیکھ رہے ہیں۔ الہ العالمین! میرے لیے جنت بس تیرا دیدار ہے اور کچھ نہیں۔ بغیر تیرے تو جنت جہنم سے کم نہیں ہے۔ وہ لوگ یہ کہتے جاتے اور محبت بھری پر شوق نگاہوں سے جلوۂ جمال خداوندی کے دیدار میں اس طرح محو تھے، جیسے عاشق اپنے پیارے معشوق کے دل فریب چہرے کو دور سے دیکھ رہا ہو اور اس کا دل امنگوں اور آرزوؤں سے لبریز اس عجیب کیفیت کو محسوس کر رہا ہو جس سے عشاق کا دل معشوقوں کے دیدار کے وقت بھرا ہوا ہوتا ہے اور اسے الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل ہے اور وہ فقط ذوق پر منحصر ہے۔ وجوه يومئذ ناظرة الى ربها ناظرة.

ان کے چہرے تر و تازہ ہرے بھرے اور دل خوش و خرم اپنے رب کے دیدار میں انتہائی محویت کے ساتھ وہ لوگ مشغول تھے۔ پھر انہیں حکم ہوا کہ جاؤ جنت میں جاؤ۔ لیکن ان لوگوں نے مستانہ وار کہا کہ پروردگار! جنت میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہمیں تو یہیں بہت آرام ہے۔

بالآخر حکم رب العالمین ہوا کہ ان لوگوں کو زبردستی زنجیروں میں باندھ کر جنت میں لے پہنچاؤ چنانچہ فرشتوں نے نہایت ہی خوبصورت خوبصورت زنجیروں میں انھیں باندھا اور اپنی اپنی پشت پر رکھ رکھ کر جنت کی طرف لے اڑے۔ اب ہم بھی تمام مقامات آخرت کی سیر و سیاحت سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس لیے پل صراط کو طے کر کے عالم آخرت کی دوسری بستی یعنی جنت کی طرف چلے۔ ہمارے ساتھ بہت سے گنہگار اپنی سزاؤں کو بھگت کے اور حضور کی شفاعت سے نکل نکل کر نہر الحیات میں نہا دھو کے سواریوں پر جنت کی جانب جا رہے تھے۔ اور بہت سے جنت کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ اور سب کے سب وہاں پہنچ کر کھڑے ہوئے تھے۔ اب تک کوئی نیکوکار یا گنہگار اس کے اندر نہیں گیا تھا، اس لیے کہ دروازہ نہیں کھلا تھا۔ ابھی سب کے

سب کھڑے ہی تھے کہ یک بیک سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دروازہ جنت کھول کر سب سے پہلے فقیروں کو داخل ہونے کا حکم فرمایا ان میں سے بہتیرے تو داخل ہوگئے اور بہتوں نے کہا: حضور !جب تک ہمارے مالدار محسن جنت میں نہیں جائیں گے ہم اندر قدم نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ وہ ان امراء کو جنھوں نے ان پر احسان کیا تھا، ساتھ لیتے جارہے تھے اور بعض اگر کسی گناہ کی وجہ سے دوزخ میں بھی ہوتے تو انہیں بھی سفارش کرکر کے دوزخ سے نکلوانکلوا کر لے آتے تھے۔ اور یہی حال بہت سے علمائے کرام کا بھی تھا۔ وہ بھی ان لوگوں کو ڈھونڈھ رہے تھے جن کے روپے پیسوں کی بدولت انہوں نے علم پڑھا اور ان کی پاکیزہ کمائی اور پاک رویوں سے فائدہ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی دوڑ دوڑ کر اپنے مدد کرنے والوں کو جنت میں لے جارہے تھے۔ اور بعضے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے جہنم میں ہوتے، نہیں بھی نکال لاتے اور ساتھ لیتے جاتے تھے اور یہ حضرات اس کام میں اس قدر منہمک تھے کہ جس نے ایک کوڑی بھی دی تھی یا بھلی بات ہی سے دنیا میں ان کی دلجوئی کی تھی، انہیں بھی اپنے ساتھ لیے جارہے تھے۔ علی ہذا القیاس طلبۂ یتامیٰ (علم دین حاصل کرنے والے یتیم بچے) اور غریب بیوائیں بھی اپنے محسنوں کی سفارش کررہی تھیں۔

مختصر یہ کہ اس وقت شفاعتِ عامہ کی اجازت ہوچکی تھی اور پیر اپنے مریدوں کو، ائمہ اپنے مقلدوں کو، استاذ اپنے شاگردوں کو ساتھ ساتھ لیے ہوئے جنت میں داخل ہورہے تھے۔

مقام اَعراف

قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان اپنے منزل مقصود کے قریب پہنچتا ہے اور وطن اصلی کی طرف آتا ہے تو اس کا دل اپنے اطراف و دیار کی ہواؤں سے خوش ہوجاتا ہے اور وہاں کی ہر چیز اس کی آنکھوں میں نہایت ہی دل فریب اور خوش نما معلوم ہونے لگتی ہے۔ میدان قیامت اور پل صراط کے بعد ایک بہت ہی اونچی دیوار ملی جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور غالباً ہمارے خیال میں شہر پناہ کی دیوار اور جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل بھی یہی تھی۔ اس کے قریب پہنچتے ہی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں آنے لگیں۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہوگیا اور دل میں ایک عجیب سرور محسوس ہونے لگا۔

یہاں پہنچ کر جو میں نے اوپر دیکھا تو ایک عجیب تماشہ نظر آیا یعنی اس عظیم الشان اور بڑی دیوار پر بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ نظر آئے جن کا کچھ عجیب حال تھا۔ کبھی تو وہ خوش ہوجاتے تھے اور کبھی غمگین۔ کبھی ان کا چہرہ مارے خوشی کے شگفتہ ہوجاتا تھا اور کبھی مارے خوف کے زرد۔ چنانچہ جب وہ داہنی طرف دیکھتے تھے تو خوش ہوکر سلام علیکم کہتے ہوئے چاہتے تھے کہ اسی طرف کو چلے جائیں لیکن فوراً ہی ان کا رخ دوسری طرف پھیر دیا جاتا تھا۔ جس سے ان کے چہرے زرد پڑجاتے تھے۔ اور مارے خوف کے چلا اٹھتے تھے۔ ربنا لاتجعلنا مع القوم الظالمین. اس کے بعد ہی انتہائی نفرت سے اس طرف کے یعنی دوزخ کے باشندوں سے جنھیں وہ پہچانتے تھے، کہتے تھے کہ: ماأغنیٰ عنکم جمعکم وما کنتم تستکبرون اھٰؤلاء الذین اقسمتم لاینالھم اللہ برحمتہ. اجی تمہیں کیا کام آئی تمھاری جمعیت اور مال اور وہ جس پر تم غرور کرتے اور اتراتے تھے۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں (جنتیوں کی طرف اشارہ

کر کے) جن پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر ہرگز رحمت نہیں کرے گا۔ میں نے جو ان کی اس حالت کو دیکھا تو بہت غور کیا اور سمندِ عقل کو میدان فکر میں دوڑا کر اس بات کے سمجھنے کی کوشش کی کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کی یہ حالت کیوں ہے؟ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی اور نہ یہ پتہ چلا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کیوں اس طرح کر رہے ہیں؟ آخر میں یہاں بھی: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون. پر عمل کیا اور کھوجتا ڈھونڈتا علمائے کرام کے پاس جا پہنچا۔ اس لیے کہ بہشت کے دروازے پر ابھی بہت سے علما موجود تھے۔ جو ابھی اندر نہیں گئے تھے اور دوسروں کو داخل کر رہے تھے۔

چنانچہ میں نے جاتے ہی ان لوگوں سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے۔ یہ تو بتائیے کہ یہ کون سا مقام ہے اور اس پر یہ کون لوگ ہیں جو کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غمگین۔ آخر وجہ کیا ہے جو یہ لوگ اس طرح کر رہے ہیں؟ میرے اس سوال سے یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور مسرت ظاہر کر کے کہنے لگے کہ میاں یہ اعراف ہے اور ان کی خوشی و غمی کا باعث یہ ہے کہ جب یہ لوگ جنت کی طرف دیکھتے ہیں تو مارے خوشی کے ان کا چہرہ دمکنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں کے رہنے والوں پر سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ باغِ ارم میں داخل ہو جائیں لیکن جب ان کا چہرہ جہنم کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تو جہنمیوں اور جہنم کے عذاب کو دیکھ کر ہجوم غم و آلام سے یہ زرد پڑ جاتے ہیں اور ان پر لعنت و پھٹکار بھیجنے لگتے ہیں۔ میں نے کہا: ایک بات اور دریافت کرنی ہے اگر آپ لوگ برا نہ مانیں اور ناگوار خاطر نہ ہوں تو عرض کروں۔

ان لوگوں نے کہا: جو پوچھنا ہو خوب اچھی طرح پوچھو اور تشفی بخش جواب لو۔

میں نے کہا: ہاں اسی واسطے میں پہلے ہی کہہ دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ سوال ناگوار خاطر ہو اور آپ لوگ مجھ پر بگڑ جائیں۔ ان لوگوں نے کہا: یا خدا اس میں بگڑنے کی کونسی بات ہے؟ تم ہمیں گالیاں تو دیتے نہیں ہو جو ہم بگڑ جائیں گے۔ میں نے کہا: سنیے

حضرت: میں کچھ گالی والی تو دوں گا نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں اکثر دنیا میں سنا کرتا تھا کہ عالم علماء لوگوں سے اگر کسی بات یا مسئلہ مسائل کو دہرا کر پوچھا جاتا ہے تو بجائے جواب دینے کے وہ گالیاں دیتے ہیں۔ مارنے کے لیے عصا اٹھاتے ہیں اور گردن کی رگیں پھلاتے ہیں۔ غرض وہ نہایت برافروختہ و چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ مجھ کو دنیا میں کبھی ایسے عالم کے پاس جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن سن سن کر ڈرتا ضرور تھا۔ اسی لیے دریافت کر لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ لوگ بھی مجھ سے بگڑ جائیں تو پھر لینی کی دینی پڑ جائے اور میں جنت میں نہ جا سکوں۔ ان لوگوں نے کہا: میاں: خدا تعصب کا برا کرے یہ خواہ مخواہ انسان کی آنکھوں میں پٹی باندھ دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شریعت کے بعض بعض باتوں کو جنھیں خدا اور رسول کے انسانی عقول سمجھنے سے قاصر تھی، خواہ مخواہ ہی بعض لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور اس کے معنٰی و مطلب کے درپے ہو جاتے تھے حالانکہ وہ اس کو جانتے تھے کہ: لایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا. اب اسی صورت میں اگر ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ بھائی اس کو اللہ بہتر جانتا ہے تو لگے بے علمی پر محمول کرنے اور اگر من گھڑت کچھ الٹا سیدھا مطلب بتا دیا تو گنہگار۔ اسی وجہ سے ایسے ملحدوں کو جو ہر جگہ فقط عقل سے کام لیتے تھے کبھی ٹال دیا گیا اور جب اس پر بھی نہیں مانیں تو مجبوراً ذرا کچھ غصہ سے کام لیا گیا اور خدا کے غیض و غضب سے ڈرایا گیا تو یہ سمجھے کچھ اور لگے تمام دنیا میں بدنام کرنے۔ میں نے کہا: بے ادبی معاف! کیا حضرت اسلام میں کچھ ایسی بے عقلی کی باتیں بھی بتائی گئی تھیں جنہیں آپ لوگ نہیں بتاتے اور اس کے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ میری اس بات پر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے میاں! تم بھی بہت سادہ لوح اور بھولے آدمی ہو۔ میں نے کہا: صاحب! میں تو ایسا پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں جو حضور کی باتوں کو سمجھ سکوں پھر بھی جہاں تک ہو سکتا ہے آپ لوگوں کی دعا اور عالم، علما، حافظ، مولانا وغیرہ

کی سنگت وصحبت سے بہت کچھ ضرورت کے مطابق جانتا ہوں۔ تب رہی یہ بات کہ بہت سے مسائل جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے تھے یا جنھیں میں نہیں جانتا تھا دوڑ کے مذکورہ بالا حضرات سے پوچھ لیتا تھا۔ اور اب بھی جو میں آیا ہوں تو اسی عادت کی بنا پر۔ لہٰذا مہربانی فرما کر میری تشفی فرما دیجیے۔ لوگوں نے کہا: اچھا جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو پوچھو اور تشفی بخش جواب لو۔ میں نے کہا: اب میرے دو سوال ہیں:

اولاً تو یہ کہ اسلام نے عقل کے خلاف کون سی باتوں کو بتایا ہے؟

دوسرے یہ کہ کون لوگ ہیں اور کیوں اس مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں؟

مولوی صاحبان بولے: یہ کیسا سوال ہے اور تم نے یہ کہاں سے نکال لیا کہ اسلام نے عقل کے خلاف بھی کوئی بات بتائی ہے۔ میں آپ کے اس جواب سے جو آپ نے ابھی فرمایا کہ ان ملحدوں کو جو ہر جگہ فقط عقل سے کام لیتے تھے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے عقلی یا عقل کے خلاف باتیں بھی کرنی چاہیے تھیں اور اس سے بھی کام لینا چاہیے تھا۔ مولوی صاحبان! سنو میاں! اس جگہ عقل کی نفی کرنے سے اولاً تو بے عقلی لازم نہیں آتی بلکہ اس کا درجہ اور بڑھ جاتا ہے یعنی ماورائے عقل۔ یعنی عقل سے بھی بڑھی ہوئی بات کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ کہ میں نے کہا ہے۔ جو فقط عقل سے کام لیا کرتے تھے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کہ بے عقلی سے بھی کام لینا چاہیے۔ میں نے کہا: تو اور کیا ہوا ذرا آپ ہی سمجھا دیجیے۔ مولوی صاحبان فرمانے لگے: ہاں سنو۔ خداوند قدوس نے انسان کے اندر جہاں اور بہت سی قوتیں پیدا کی ہیں وہیں دو قوتیں عقل اور عشق بھی اس میں مضمر و پوشیدہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اسلام دین فطرت اور اور نیچرل قوانین کے مجموعہ کا نام ہے۔ لہذا اس میں ہر قوت اور ہر بات کا کما حقہ لحاظ کیا گیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اسلام نے اسی وجہ سے رہبانیت اور خصی ہونے کو منع فرمایا۔ اور اس کے باوجود صرف شہوت رانی ہی کو اپنا مطمح نظر نہیں قرار دیا بلکہ قوت

ملکوتی اور قوت بہیمی دونوں پلہ برابر کر دیا۔ اسی طرح اس نے صرف عقل ہی سے کام لینے کو نہیں کہا بلکہ جانب عشق کا بھی لحاظ کیا۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جنھوں نے صرف عقل سے کام لیا اور قوت عشق کو معطل وبیکار کر دیا، انہیں ملحد و بے دین کہا گیا اور جنھوں نے محض عشق سے کام لیا وہ پاگل اور مجنوں کے لقب سے یاد کیے گئے۔ بس چلو قصہ تمام ہوا کہ نہ تو صرف عقل سے کام لیا جائے نہ فقط عشق سے بلکہ ہر دو قوت سے۔ میں سمجھ گیا آپ حضرات کی غرض ان لوگوں سے ہے جو عشق سے بے بہرہ تھے اور فقط عقلی گھوڑے دوڑایا کرتے تھے۔ مولوی صاحبان بولے: ہاں ہاں! انہیں لوگوں سے۔ وہی لوگ تو تھے جو خواہ مخواہ ان احکام خداوندی کو جس میں عشق کا پہلو پایا جاتا تھا اپنے عقل کے مطابق کرنے کی فضول کوشش کرتے اور متشابہات میں پڑ کے فتنہ وابتلا کے دلدل میں پھنس کر حیران و پریشان رہتے تھے۔ میں نے کہا: اب میں بخوبی سمجھ گیا۔ اب میرے دوسرے سوال کا جواب دیجیے۔

ایک مولوی صاحب گویا ہوئے کہ سنو! یہ مقام اعراف ہے اور اس پر جو لوگ ہیں وہ اصحاب فترۃ (ایک نبی کے گذر جانے کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک کے زمانہ کو فترۃ کہا جاتا ہے) ہیں اور وہ دوزخیوں جنتیوں سب کو پہچانتے ہیں۔ بعد حساب کتاب یہ لوگ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔

دوسرے نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے والدین میں سے ایک کو راضی رکھا اور دوسرے کو ناراض کیا۔

تیسرے حضرت بولے: یہ لوگ وہ ہیں جو بغیر اجازت والدین جہاد میں جاکر شہید ہوئے۔

چوتھے نے کہا: یہ کفار و مشرکین کی اولاد ہیں۔

غرض یہاں کئی ایک رائیں ہوگئیں۔ میں نے کہا: صاحب! آپ لوگ بغیر اختلاف کیے ہوئے نہیں رہتے۔ بھلا بتائیے تو اب میں کس کو مانوں اور کس کو جھٹلاؤں کس کو رکھوں اور کس کو ٹھکراؤں؟ میں ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک بزرگوار اور تشریف لائے اور آتے ہی کہا: کیا میاں عتیق! کیا دریافت کرر ہے ہو؟ کیوں پریشان ہو؟ میں نے کہا: حضور! یہ مولوی صاحبان تو خواہ مخواہ اختلاف کر کے لوگوں کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے سارا قصہ دہرایا تو انھوں نے مسکرا کر فرمایا کہ ہاں جی تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اس میں کچھ تمھاری سمجھ کا بھی قصور ہے اور کچھ ان لوگوں کا بھی۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ یہ کہ یہ لوگ خواہ مخواہ ہی اختلافی صورت کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ جس سے عوام پر برا اثر پڑتا ہے۔ انہیں صرف یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکی بدی برابر ہے۔ بس سارا قصہ طے ہو جاتا ساری صورتیں شامل ہو جاتیں اور تمھارا قصور یہ ہے کہ تم ان فروعی اختلافات کو من گھڑت سمجھ کر فوراً گڑبڑا جاتے اور بدگمان ہو جاتے ہو اگرچہ علما کا اختلاف بظاہر اختلاف ہوتا ہے لیکن حقیقت اور مآل ہر ایک کا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فروعات کا اختلاف کوئی اختلاف نہیں اور یہ باعثِ رحمت ہے۔ ہاں! اگر اصول و ضوابط کے اندر اختلاف ہو، عقائد و ایمان میں تضاد ہو تو البتہ وہ اختلاف باعثِ زحمت ضرور ہے۔ جیسے نعوذ باللہ! اللہ کی ذات میں صفاتِ سلبیہ (مثلاً جھوٹ چوری وغیرہ) میں سے کسی ایک کا ثبوت ممکن ماننا یا صفاتِ نقصان میں سے کل یا بعض کا امکان تسلیم کرنا اور اسی طرح نبیوں میں سے کسی ایک کی بھی توہین کرنا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دینا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ایسی باتوں کا اعتقاد رکھنا جو گمراہی و ضلالت کا باعث ہو، بالکل گناہ اور سخت گناہ بلکہ کفر ہے۔

میں نے کہا: اے حضور! یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا ہوں، مجھے یہ سمجھانے کی

ضرورت نہیں ہے۔ آپ صرف اس کا فیصلہ کر دیجیے کہ آخر یہ ہیں کون لوگ؟ وہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکی اور بدی برابر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نہ جنت میں ہیں اور نہ جہنم میں۔ لیکن یہ لوگ جنت کے امیدوار ضرور ہیں۔ انشاءاللہ بعد حساب وکتاب یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے صاحب یہ بات ایک حد تک صحیح اور قرین قیاس بھی ہے اوراس میں ساری صورتیں شامل بھی ہوجاتی ہیں۔ ابھی میں یہیں تک گفتگو کرنے پایا تھا کہ یک بیک یہ لوگ بھی جنت میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ ہوگیا۔

عالم آخرت کی دوسری بستی

منزل مقصود

مقام اعراف کے نیچے ہی ایک عظیم الشان پھاٹک کھلا ہوا نظر آیا جس کی چوڑائی ستر برس کی مسافت ہے ۔ اوپر ایک سائین بورڈ پر لکھا ہوا تھا: تلك الجنة التی اورثتموھابما کنتم تعلمون. یہی وہ جنت ہے جس کے وارث تم اپنے عملوں کی بدولت بنائے گئے ہو۔ پھاٹک کے اندر پہنچتے ہی ایک عجیب سرور پیدا ہوا۔ ہر طرف سے پھولوں کی دل آویز خوشبوؤں کے جھونکے آنے لگے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں نازک خرامیاں کرتی ہوئی مدت کے تھکے ماندے مسافروں کی پیشانیوں سے جو اپنی اپنی جانیں دے دے کر آئے تھے پسینے خشک کرنے لگیں۔ سبزوں کے ہرے بھرے تختوں اور پھولوں کے سرسبز وشاداب درختوں نے آنکھوں کی پتلیوں کو جو آفتاب محشر کی حدّتِ و تمازت (گرمی) کی وجہ سے بے نور سی ہوگئیں تھیں۔ ٹھنڈک اور روشنی پہنچانا شروع کیا۔ طیور (چرندو پرند) چہچہانے لگے اور ہر طرف سے خوبصورت خوبصورت چڑیاں ہر مرد و عورت کے سروں پر آآکر اپنی پیاری پیاری دل خوش کن صداؤں سے دلوں کو کیف و

سرور بخشنے لگیں۔ نورانی فرشتے رکابداروں کی طرح پڑے جمائے ہوئے سواریوں کے ساتھ ساتھ بخوش الحانی تمام طرقوا طرقوا۔ کہتے ہوئے باغ ارم کا راستہ بتانے لگے۔ طرح طرح کے نقّاروں اور خوش نماں باجوں کی آوازیں کانوں کی راہ سے دلوں میں برقی لہریں دوڑانے لگیں۔ فرشتے اپنے اپنے منہ میں انوکھے اور نئے نئے باجوں کو لیے ہوئے مبارکبادی کے گانے گانے لگے۔

غرض ایک عجیب سماں بندھ گیا جس کا بیان غیر ممکن ہے۔ ادھر پھاٹک سے فوج در فوج لوگ اندر کو داخل ہوتے چلے جارہے تھے اور ہر شخص اپنی اپنی سواری کے براقوں پر اپنی اپنی بیویوں اور دوست واحباب کے ساتھ اختلاط وگرم جوشی کی باتیں کررہا تھا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر خوشیاں منارہا تھا۔ کوئی اپنے دوست کو پکارتا تھا تو کوئی خوشی میں گیت گاتا ہوا سواری کو ایڑ لگا کر کبھی آگے والے سے مل کر ہنس بول لیتا تھا اور کبھی پیچھے والے سے خوشی کی باتیں کرتا تھا اور اس دلکش وفریب سین (منظر) سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ فرشتے ان مبارک لوگوں کی خوشیوں کو دیکھ دیکھ کر بہت محظوظ ہو رہے تھے اور دوڑ دوڑ کر ان کی خدمت کررہے تھے۔

ابھی یہ شاندار جنتی جلوس تھوڑی ہی دور آگے بڑھا تھا کہ بہت سی خوبصورت عورتیں کہ جن کے سرخ سرخ رخسارے، بڑی بڑی سیاہ سیاہ آنکھیں اور لمبی لمبی پلکیں تھیں، صف باندھے ہوئے قطار در قطار پھولوں کے گجرے اور ہار اور نئے نئے عجیب عجیب قسم کے تازہ پھولوں کے گلدستے اپنے اپنے نازک نازک صاف شفاف گورے گورے ہاتھوں میں لیے: سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (سلامتی ہو تم پر! تم مزے میں رہو اور ہمیشہ ہمیش جنت میں رہو) کی سریلی اور ہوش ربا آواز سے گاتی ہوئی نمودار ہوئیں۔ ان کے پیچھے بیشمار چھوٹے چھوٹے خوبصورت لڑکے جن کی صورتیں چاند تاروں کی طرح چمکتی تھیں، میٹھی میٹھی آواز میں خوشی کے ترانے گاتے

ہوئے اور ننھے ننھے ہاتھوں میں قسم قسم کی جھنڈیاں جن پر آیات قرآنی بخط نورانی لکھی ہوئی تھیں، لیے ہوئے استقبال کے لیے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور سب کے پیچھے رضوان داروغہ جنت نہایت خوش و خرم دوڑتا چلا آرہا تھا۔

مختصر یہ کہ یہ دل فریب سین ہرگز بارات سے کم نہیں تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت خوشی خرمی، چہل پہل ایک عجیب لطف دے رہی تھی۔ راستہ میں کہیں نور کی پھلجھڑی چھوٹ رہی تھی تو کسی جانب سے آسمان کا تارہ چمک کر ساری فضا کو بقعۂ نور (نور کا ٹکڑا) بنا دیتا تھا اور کبھی یک بیک ہزاروں پٹارے اڑاڑ کر قندیل فلک ہوجاتے تھے اور اپنی ٹھنڈی نورانی روشنی سے عجیب کیف و سرور پیدا کردیتے تھے۔ طرح طرح کے پھول جھاڑ جن کی پتیاں زمرد سبز کی اور پھول لعل سرخ کے تھے۔ فرشتے ہاتھوں میں لیے ہوئے جارہے تھے جس کی وجہ سے معلوم ہورہا تھا کہ بارات بڑے تزک احتشام کے ساتھ جارہی ہے۔ اگر کچھ فرق تھا تو صرف اتنا کہ سب کے سب بجز فرشتوں کے نوشہ ہی نوشہ اور باراتی ہی باراتی تھے۔ جنت میں داخل ہوتے ہی رضوان نے ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سب کی سب ایک ایک کے پاس جاجاکر پیار و محبت کرنے لگیں اور اپنی نازک نازک اور خوبصورت خوبصورت ہاتھوں سے پھولوں کے ہار ان کی گردنوں میں ڈال کرانہیں محبت کا طوق پہنا پہنا کر اپنا گرویدہ بنانے لگیں۔ کیا بتاؤں ہار پہناتے وقت کیا عالم تھا! ان کا شرمائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنا اور مسکرا مسکرا کر دانتوں کی چمک دمک کو دکھانا دل پر کیا کچھ بجلیاں گرارہا تھا۔ واللہ! پھولوں کی خوبصورت اور نازک پنکھڑیوں سے تو کہیں زیادہ خوبصورت تو ان کے رخسار تھے جس کے حسن کے آگے چاند بھی ماند تھا۔ ان کے چِکنے چِکنے گلابی اور خوبصورت رخساروں کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ نظر پڑتے ہی بے اختیار شعاعِ بصر پھسلتی ہوئی نیچے کی طرف گرپڑتی تھی، لیکن ہائے وہاں بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اور بے اختیار یہ شعر زبان زد ہوجاتا تھا:

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

ان کے سیاہ سیاہ گیسوؤں کے سامنے سنبل رشک و حسد سے زمین پر لوٹتی تھی۔ ان کے رخساروں کے سامنے شفقِ گلنار خونِ جگر کھاتا تھا (غصہ برداشت کرتا تھا) اور وہاں تنگ کو دیکھ کر غنچہ سربستہ منہ لپیٹے سرنگوں تھا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے سامنے نرگس چشم حیرت کھولے ہوئے منہ تکتی تھی۔ لانبی لانبی پلکوں سے نیزے اور تیر کے جگر میں گھاؤ پڑ گیا تھا۔ کمانِ ابرو کے سامنے قوس و قزح کا رنگ متغیّر تھا۔ یاقوت لب کے آگے جگر گوشہ معدن جگر خوار و شرمسار۔ صاف شفاف دانتوں کے سامنے صفائی گوہر بے کار اور بے وقار تھی ۔ان کی پیشانی نو کے سامنے اگر ماہتاب شب چہاردہم (چودھویں رات کا چاند) بھی ہوتا تو شرمندہ ہو کر سر پٹک دیتا اور آفتاب ہوتا تو اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔ تو خیریت ہوئی کہ یہ دونوں جنت سے پہلے ہی چمپت (غائب) ہو گئے تھے۔ ورنہ آج بری طرح رسوا اور ذلیل ہوتے پتلی پتلی اور اونچی ہوئی گردنون کے آگے غزالان رم خوردہ کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں ابھرے ابھرے صاف شفاف سینوں کا نور باریک باریک حریر کی کرتیوں سے چھن چھن کر دلوں میں ایک عجیب ابھار پیدا کر رہا تھا۔ شکم مصفا بحر حیرت کا نمونہ تھا جس پر کشتیِ عقل کا تیرنا محال۔ ساقِ بلّورین کے آگے آئینہ حیرت زدہ منہ تکتا تھا۔ پنڈلیاں اس قدر صاف تھیں کہ مغز استخواں (ہڈی کا گودا) صاف نظر آتا تھا۔ پائے نازک کی ہر ہر انگلیوں پر ناخنِ بدر کامل یا تدویر قمر کی طرح لپٹا ہوا تھا بلکہ ہلال نو جھکا ہوا ان کے قدموں کو چوم رہا تھا۔ غرض وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ اگر چاند سورج بھی ان کی ایک جھلک دیکھ لیتے تو ہمیشہ کے لیے بے رونق اور بے نور ہو جاتے۔

مختصر یہ کہ ان عورتوں نے پہلے تو آتے ہی سب کی گردنوں میں محبت کا طوق پہنایا۔ پھر کچھ ایسی جادو بھری نظروں سے دیکھا کہ دلوں سے شکیب و قرار رخصت ہو گیا۔ اگرچہ وہ سب کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں مگر محبت کا تلاطم خیز طوفان کسی طرح

دل کو ابھرنے ہی نہیں دیتا تھا اور بے اختیار جی چاہتا تھا کہ ع

سر پہ آنکھوں پہ کلیجے پہ بٹھالوں تجھ کو

یہی نہیں کہ ان کا جادو صرف مردوں پر چلا تھا بلکہ عورتیں بھی کچھ ایسی گرویدہ ہوئیں کہ بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ ہر عورت یہی چاہتی تھی کہ یہ میرے شوہر کے ساتھ رہے۔ نہ معلوم ان عورتوں سے رشک و حسد کا مادہ کہاں چلا گیا تھا جو اکثر عورتوں کو دنیا میں اپنی اپنی سوتنوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ حوروں نے آتے ہی پہلے تو ان عورتوں سے دوستانہ ربط قائم کیا اور کچھ ایسی میٹھی میٹھی بولیاں بولیں کہ سب کے دلوں کو موہ لیا اور وہ بھی ان پر ایسا رجھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ مدت سے عاشق زار تھیں۔ میں نے صحن جنت میں پہنچ کر جو نگاہ کیا تو بڑے بڑے بیشمار دروازے کھلے ہوئے نظر آئے اور ہر دروازے سے مخصوص صفت کے لوگ داخل ہو رہے تھے اور جو جس طرح کا آدمی تھا اسے اسی دروازے سے پکارا جاتا تھا۔ مثلاً جو نمازی تھے انہیں باب الصلوۃ سے داخل ہونے کے لیے کہا جاتا تھا۔ روزہ داروں کو باب الرّیّان سے، صدقہ دینے والوں کو باب الصدقہ سے، اللہ کے ذکرواذکار کرنے والوں کو باب الذکر سے، علیٰ ہذالقیاس۔ جس نے جو عمل زیادہ کیا تھا اس کی پکار اسی دروازے سے ہو رہی تھی۔ البتہ ہر دروازے سے جانے کا اختیار محض تھوڑے سے لوگوں کو تھا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ لوگ جو وضو میں سوائے کلمہ کے کوئی دنیاوی بات نہیں کرتے تھے اور جس کے تین بچے مر گئے تھے اور اس نے صبر سے کام لیا تھا اور جو بھوکوں پیاسوں اور ننگوں کو کھانا پانی اور کپڑا دیا کرتے تھے۔ اور جو یتیموں کی پرورش کیا کرتے تھے۔ اور وہ جو اپنے کو گالیوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچاتے تھے اور وہ جنہیں چالیس حدیثیں یاد تھیں اور وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی مطیع و فرماں بردار تھیں اور اپنے کو غیر محرموں سے بچاتی اور زناکاری سے پرہیز کرتی تھیں۔

بہرحال ان پھاٹکوں کی مسافت باوجودیکہ ستر ستر برس کی تھی۔ لیکن آدمیوں کی کھچاکھچ فوج سے بالکل بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ صحنِ جنت میں قدم رکھتے ہی اس کے خوبصورت خوبصورت مکانوں کو دیکھ کر فضائے خلد میں: الحمد لله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حيث نشاء فنعم اجر العملی. (سب تعریفیں خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے سچا کیا ہم سے اپنے وعدے کو اور ہمیں وارث بنایا جنت کی زمین کا۔ ہم جنت میں رہیں گے جہاں ہمارا جی چاہے گا پس کیا ہی اچھی مزدوری ہے عمل کرنے والوں کی) کی آواز سے فضا گونج اٹھی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ وہاں کے مکانات سونے چاندی کی اینٹوں اور مشک و زعفران کے گاروں سے بنے ہوئے تھے۔ اور بہت سے مکانات تو ہوا پر معلق (لٹکے) تھے۔ ان میں کسی جانب تو موتیوں کا خوبصورت و خوش نماں بنگلہ اور کوئی زمرّد سبز اور کوئی یاقوت سرخ کا بنا ہوا تھا۔ اور لاکھوں کی تعداد میں جواہرات کے مکانات بلوّر سے زیادہ صاف و شفاف کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر کی چیزیں معلوم ہوتی تھیں، یہ مکانات پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ کوس کے حلقہ میں بنے ہوئے ہیں اور بعضے مکان تو ایسے ہیں کہ صرف ایک ہی موتی کو نہایت خوبصورتی سے تراش کر بنایا گیا ہے اور ہر ہر گھر کے دونوں جانب دو دو باغ ہیں اور انواع و اقسام کے پھول اور میوے ان میں لگے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کی گھری سبزی میں سیاہ گھٹاؤں کا لطف آتا تھا اور ہر باغ میں دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے پانی کی نہریں بہ رہی تھیں۔ نہروں کے کنارے کنارے قطار در قطار سرو آزاد و شمساد اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے عشّاق اپنے معشوق کے جلوۂ جمال کو دیکھ کر حیرت سے کھڑے ہوں۔ باغوں میں جابجا روشیں اور سڑکیں سبزوں کے بیچ میں ایسی صاف اور خوش نماں جیسے خوبرویوں کے سیاہ سیاہ زلفوں میں مانگ بلکہ اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی تھی۔ سبزوں کے بجائے باغبان قضا و قدر نے فیروزے و زمرد سبز کو نہایت

ہی باریک باریک تراش کر بچھا دیا ہے ۔ لیکن سختی کے بجائے نرمی اور صلابت کی جگہ لینت (نرمی) ایسی دی ہے کہ آدمی اگر آسمان سے بھی گرے تو چوٹ اور تکلیف کے بجائے راحت وآرام پائے ۔ جابجا سنبلِ سیاہ حسینوں کی چمکدار زلفوں کی طرح زمین پر پھیلی ہوئی بنفشہ تختوں کے تختے لاجوروی پھولوں سے لدے ہوئے عجیب دل فریب معلوم ہوتے تھے ۔ اور گلاب کے درختوں کی تو عجیب دلکشی تھی۔ فیروزے و زمرد کی شاخوں میں قدرت نے ایسی باریکی سے کام لیا تھا کہ دنیا میں اس کی تعریف بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے ۔ ہری ہری خوبصورت و خوش نماں شاخوں پر سبز سبز کنارے کٹی کٹی پتیاں، ان پر نازک نازک پھول سفید مائل بہ زردی اور سرخی وگلابی معشوقان کمسن کے سرخ و خوبصورت رخساروں کی طرح چکنے چکنے سبز سبز پتیوں کی آغوش میں اپنے اپنے حسن پر اترا رہے تھے اور مست کن خوشبوؤں سے تمام عالم کو بسار ہے تھے ۔ نہروں کے کنارے کنارے اتنے بڑے بڑے اور گنجان درخت کہ اگر اس کے سائے میں کوئی تیز رفتار سوار انتہائی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑائے تو سو برس میں اس کے سائے کو طے کرے، دونوں طرف سے آآکر بالا بالا وسط نہر میں مل کر نہر کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے تھے۔ ان درختوں میں بیشمار پھل اور میوے، قسم قسم کے خوش مزہ وکوش ذائقہ لگے ہوئے درختوں کی فراخ دلی اور عالی حوصلگی کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہروں میں گر گر کر اپنی سخاوت وفیاضی کا بے مثل نمونہ دکھا رہے تھے ۔ درختوں پر سبز و سرخ اور زرد و سیاہ اور مختلف الالوان رنگ برنگ کی چڑیاں چھوٹی چھوٹی اور بڑی بڑی ایسی خوبصورت اور بھلی کہ دیکھ کر آدمی محو ہو جائے، ایک شاخ سے دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پر اچھل اچھل کر پھُدک پھُدک کر آاور جا رہی تھیں ۔ کوئی اڑ رہی ہے تو کوئی چہچہا رہی ہے کسی جانب کوئل کوک رہی ہے تو کسی طرف پپیہا شور کر رہا ہے کہیں مور ناچ رہا ہے تو کہیں چکور نازک خرامی میں مشغول ہے ۔ کہیں قمری سرو کے گرد

چکر لگا رہی ہے تو کہیں فاختہ رشک سے منہ پھیلائے بیٹھی ہوئی ہے۔ طرح طرح کی حسین اور سنہری چڑیاں جن کی چونچیں نہایت ہی خوبصورت سرخ و سبز لعل و جواہر کی تھیں پھلوں کو توڑ توڑ کر گرا رہی تھیں اور پانی میں بہا رہی تھیں۔ اگرچہ چڑیاں پھلوں کو توڑ توڑ کر گرا رہی تھیں لیکن دنیا کی بد تہذیب چڑیوں کی طرح نہ تو شور مچاتیں اور نہ غلاظت پھیلاتی تھیں۔ ہر گھر کے صحن میں قسم قسم کے میوے جیسے نارنگی، سنگترہ، انگور، سیب، ناشپاتی، اور کھجور وغیرہ میوے ایسے ایسے مزیدار لگے ہوئے کہ دنیا والوں کی زبان نے چکھا نہیں اور طرح طرح کے پھول گلاب، چمبیلی، کیوڑہ، کیتکی، چمپا، جوہی، موتیا، موگرہ، اور بیلا کوسوں تک پھیلی ہوئی سدا بہار و سدا سہاگ کی طرح ہمیشہ اور ہر زمانے میں پھول رہے تھے۔ مختصر یہ کہ ہم لوگ ایک ایسی جگہ میں پہنچے اور ایسی ایسی چیزوں کو دیکھا کہ دنیا میں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی آدمی کے وہم و خیال میں ایسی مزیدار و بہار دار چیزوں اور جگہوں کا تصور ہوا۔

یہاں پہنچتے ہی ان مہمانوں کے سامنے دسترخوان چنا گیا اور سب سے پہلے مچھلی کے کلیجے کا کباب نہایت ہی خوش مزہ اور خوش ذائقہ کھلایا گیا۔ سبھوں نے خوب کھایا اور وہاں سے سب کے سب حوض کوثر کے کنارے پہنچے۔ اس حوض کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ میٹھا اور گلاب و کیووڑے سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ حوض کے قریب آتے ہی ایسی خوشبو معلوم ہوئی کہ دل بے اختیار ہو گیا۔ دماغ میں عجیب قوت محسوس ہونے لگی کہ خوبصورتی تو اور بھی دلکشی پیدا کر رہی تھی۔ اس کے چاروں کنارے جو یاقوت اور لعل و جواہر سے بندھے ہوئے تھے، ان کا عکس پانی میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پگھلے ہوئے سیّال اور ہزاروں لاکھوں بط اور مرغابیاں قسم قسم کی نہایت ہی خوبصورت خوبصورت رنگ برنگ کی ڈبکیاں لگاتی اور کلیلیں کرتی پھرتی ہیں اور حوض کی چوڑائی اتنی ہے کہ تیز رو گھوڑا اگر نہایت تیزی کے ساتھ دوڑے تو ایک مہینہ میں

دوسرے کنارے پر پہنچے۔ حوض کے صاف شفاف پانی میں چھوٹی بڑی سرخ، سبز، لال اور پیلی غرض ہر طرح کی نہایت ہی خوبصورت خوبصورت مچھلیاں چاندی سونے زمرد فیروزے لعل و جواہرات کے ٹکڑوں کی طرح تیرتی پھرتی ہیں۔ غرض اس خوبصورت حوض کو دیکھتے روح کو ایسا کیفیت و سرور پیدا ہوا کہ اس کو بیان کرنے سے زبان قاصر ہے اور سب سے بڑھ کے خوشی کی بات تو یہ ہوئی کہ حوض کے کنارے ایک نور کا ممبر رکھا ہوا تھا۔ جس کے چاروں طرف چار جواہر نگار مرصع کار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کہ ان پر چاروں یار باوقار (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم جلوہ افروز اور بیچ میں سرکار ابد قرار (جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تشنگان دیدار کو شربت دیدار سے سیراب فرمارہے تھے۔ اور اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے جام بھر بھر کے ہم گنہگاروں کو بواسطہ صحابہ کرام عطا فرمارہے تھے۔ یعنی سب سے پہلے جام خلیفۂ اول کو عنایت ہوتا تھا اور وہ سر آنکھوں پر رکھ کے دوسرے خلیفہ کو پھر وہ تیسرے کو اور وہ چوتھے کو یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کرتے تھے۔ چنانچہ وہ شیر بیشۂ خداوندی، صاحب نصرت و فتح مندی جن کے لال کو کربلا کی تپتی ہوئی ریت اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اشقیاؤں نے ایک ایک قطرہ پانی کے لیے ترسا تھا اور جن کے ننھے ننھے نونہالوں کو ظالموں نے بجائے پانی کے خنجر آبدار کا پانی پلایا تھا، وہی مولیٰ علی جام کوثر سے لوگوں کو سیراب کرنے لگے۔ لوگ جوق کے جوق پانی پر ٹوٹ پڑے اور پینے لگے۔

سبحان اللہ! پانی تو ایسا میٹھا اور شیریں تھا کہ اس کی لذت اور شیرنی کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ جو ایک مرتبہ اس کو پیتا تھا پھر اس کو پیاس نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ خوشگوار بھی کچھ ایسا تھا کہ انسان خواہ مخواہ اس کو بار بار پینے کی خواہش کرتا تھا۔ اگر چہ اس پاک پانی کو سب لوگوں نے پیا لیکن وہ لوگ اس سے محروم رہ گئے

جو دنیا میں تاڑی شراب پیتے تھے اور بغیر توبہ کیے مر گئے تھے۔ ان نشہ خوروں کو تو اس نعمتِ عظمیٰ کی خوشبو بھی میسر نہیں ہوئی۔ جب سب لوگ پانی پی پی کر سیراب ہو چکے تو اپنے اپنے گھر کی طرف بغیر کسی کی راہنمائی کے اس طرح چلے آئے جیسے وہ پہلے ہی اسے اپنے مکانوں کو دیکھے ہوئے تھے۔ گھر پہنچ کر سب لوگ اپنے اپنے براق اور سواریوں سے اتر اتر کر مکانوں میں داخل ہو گئے۔ مکان اور وہ بھی بہشت کا مکان! بھلا اس کی تعریف کون بیان کر سکتا ہے۔ ان مکانوں میں ایسے ایسے نرم اور موٹے گدیلے بچھے ہوئے تھے جیسے آسمان و زمین کے درمیان کا فاصلہ اور بعض بعض موتی کے محل تو ایسے تھے جس میں ستر ستر حویلیاں اور کمرے یاقوت سرخ کے بنے ہوئے تھے۔ ہر کمروں کے اندر ستر ستر فرش رنگ برنگ کے بچھے ہوئے اور ہر فرش پر ایسی ایسی خوبصورت خوبصورت اور پُر جمال حوریں بیٹھی ہوئی تھیں کہ ستّر تہ کپڑوں سے بھی ان کا حسن و جمال چھن چھن کر باہر نکلتا تھا اور ہر ہر مکان میں ستر ستر غلمان نہایت ہی خوبصورت و نوجوان جن کی ڈاڑھی موچھیں نہیں آئی تھیں۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے نہایت ہی مؤدب و مہذّب خدمت گاری و فرماں برداری کے واسطے آمادہ و تیار کھڑے ہوئے تھے۔ جنتیوں کے مکان میں داخل ہوتے ہی سب حوریں اٹھ کھڑی ہوئیں اور سلام کر کے ادب سے بیٹھ گئیں۔ چنانچہ میں بھی اپنے مکان میں گیا اور وہاں کچھ دنوں رہنے اور عیش و عشرت کرنے کے بعد اقلیم جنت کی سیر کے ارادے سے چل نکلا۔ میرے ساتھ بہت سے غلمانِ سیمیں تن اور حوران رشک یاسمن جانے کے لیے تیار ہوئیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ اب کہیں جاؤں اور اتنے دور دراز سفر کے بعد پھر سفر کروں۔ لیکن شوق کچھ ایسا تھا کہ خواہش دل پر غالب آگیا۔ ابھی میں یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ خود بخود ایک تخت جس پر نہایت ہی خوبصورت خوش وضع فرش مخملی بچھا ہوا اور اس پر گل و بوٹے فیروزے و زمرد کے بنے ہوئے اور خوبصورت و خوش نماں گملوں میں

نازک نازک پھولوں کے درخت جس میں ہزاروں رنگ کے سرخ سبز بسنتی چمپئی سرمئی پھول لگے ہوئے کنارے کنارے تخت کے رکھے ہوئے تھے۔ پاؤں کے نیچے سے خود بخود نمودار ہوا اور اس پر ایک حور نہایت ہی خوبصورت جس کا حسن و جمال سب پر غالب تھا۔ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خیال کیا کہ سب سے پہلے جنت کے پہلے اقلیم میں چلوں۔ ہنوز (ابھی) میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ تخت چشم زدن میں اڑ کر مجھ کو وہیں پہنچا آیا۔ سبحان اللہ! کیسا ملک ہے۔ ہر طرح صاف شفاف چاندی کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں۔ باغ لگے ہوئے ہیں اور لوگ آرام اور فارغ البالی کے ساتھ محلوں میں بیٹھے ہوئے رنگ رلیاں (خوشی اور موج مستی) منا رہے ہیں۔ ایک ایک آدمی کی خدمت میں سو سو غلام نہایت ہی خوبصورت اور نازک اندام (نازک بدن) بے حد اطاعت گذار فرماں بردار کھڑے ہیں اور حوریں بیٹھی ہوئی پیار و محبت کے ساتھ گفتگو کر رہی ہیں۔ میں نے جاتے ہی ان لوگوں کو سلام کیا۔ ان لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے میرے سلام کا جواب دیا، تپاک سے ملے، معانقہ کیا اور بٹھایا اللہ رے اخلاق! مرد عورت ایسے اخلاق سے ملے کہ جی خوش ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ بھائی اس شہر کا کیا نام ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس کو دارالخلد کہتے ہیں۔ ہم لوگ اپنی شامت اعمال کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے تھے۔ اب فضل خدا سے وہاں سے نکل کر آئے ہیں۔ اور یہ جنت کا پہلا طبقہ ہم لوگوں کو ملا ہے۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ بہت آرام سے خدا نے بادشاہت سے بھی زیادہ دے رکھا ہے۔ میں نے اٹھ کر گھوم گھوم کر چاروں طرف خوب اچھی طرح دیکھا۔ واقعی خداوند قدوس نے ایک عجیب جگہ بنائی ہے۔ اور عجیب عجیب سامان پیدا کر رکھا ہے۔

یہاں کی سیر کرنے کے بعد میں نے خیال کیا کہ اب دوسری بہشت کو بھی دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ فوراً آناً فاناً میں نے پہلے سے بھی اچھی خوبصورت اور وسیع تخت پر اپنے کو

پایا اور اس نے فوراً پلک جھپکتے ہی سیکڑوں برس کی راہ طے کر کے مجھے دوسری بہشت میں پہنچا دیا۔ یہ بہشت خاص سونے کی بنی ہوئی ہے۔ جابجا خوبصورت خوبصورت لوگ مرد عورتیں اپنی اپنی عالیشان اور بلند مکانوں میں بیٹھے ہوئے خوشی و خرمی میں مشغول ہیں۔ کسی بات کا غم ہے اور نہ کسی چیز کا ڈر۔ کسی کا خوف ہے نہ خطر۔ شرابِ طہور پیتے ہیں اور عیش و عشرت کرتے ہیں اور قریب قریب سب لوگ بال بچوں سمیت موجود ہیں۔ لیکن یہاں سب کے سب مرد عورت بال بچے یکسا جوان معلوم ہوتے ہیں۔ غرض مختصر یہ کہ یہاں بھی میں کچھ دیر تک ٹھہرا اور باغوں کی سیر کی، گلشن کی ہوا کھائی اور وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔ اس جنت کے رہنے والے وہ مالدار لوگ تھے جو اپنے اپنے مال اور روپے پیسوں سے زکوۃ و صدقات نکال کر غریبوں، فقیروں، محتاجوں اور طالب علموں وغیرہ کی امداد کیا کرتے تھے۔ اور اس کا نام دار المقام ہے، اس کے بعد میں دارالسلام میں آیا۔ اس کے تمام مکانات یاقوت سرخ کے بنے ہوئے ہیں چونکہ اقالیم جنت میں ہر وقت نور کی روشنی پھیلی رہتی ہے۔ اس وجہ سے ہر جگہ یکساں خوبصورتی معلوم ہوتی ہے اور بس ہر وقت یہی معلوم ہوتا ہے کہ صبح کا سہانا وقت ہے اور ایک خاص قسم کی ہلکی ہلکی نورانی اور دل فریب روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ گویا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب آفتاب نکلنے والا ہے اور لوگوں کے دل ایسے خوش و خرم رہتے ہیں جیسے ایک صحیح المزاج تندرست انسان صبح کو نیند سے اٹھ کر اپنے دل کو کیف و سرور سے معمور پاتا ہے۔ یہاں اور دوسرے درجوں سے آرائش و زیبائش آرام و آسائش زیادہ ہے اور یہ پہلے درجوں کے اعتبار سے وسیع اور خوبصورت ہیں۔ یہاں بھی لوگ اپنے اپنے بالاخانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حوروں کی مرمریں و خوبصورت گردنوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے سیر و تفریح میں مشغول ہیں اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہو رہا ہے جو شیشے کے مانند ہے اور کیسے شیشے چاندی کے جیسے ساقیوں نے پورے اندازے پر رکھا ہے اور اس میں وہ جام پلائے

جارہے ہیں جس کی مُل (شراب) ادرک ہے اور ادرک جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے اور ان کے آس پاس خدمت کے لیے ہمیشہ رہنے والے لڑکے گشت لگا رہے ہیں جنھیں دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے موتی پڑے ہوئے ہیں اور اس طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے ایک چین اور بڑا ملک نظر آتا ہے۔ یہاں رہنے والے کے بدن پر باریک ریشم کے سبز اور دبیز کپڑے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہیں اور انھیں خداوند قدوس شراب طہور سے سیراب فرما رہا ہے اور ان سے فرما رہا ہے کہ یہ تمھارا صلہ ہے اور تمھاری محنت ٹھکانے لگی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: و یطاف علیھم بآنیة من فضة واکواب کانت قواریرا من فضة قدروھا تقدیرا. و یسقون فیھا کاسا کان مزاجھا زنجبیلا. عینا فیھا تسمیٰ سلسبیلا، و یطوف علیھم ولدان مخلدون اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤا منثورا و اذا رأیت ثم رأیت نعیما وملکا کبیرا علیھم ثیاب سندس خضر و استبرق و حلوّا ساور من فضة و سقٰھم ربّھم شرابا طھورا انّ ھذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا.

اور یہ باتیں اسی جنت میں نہیں بلکہ کم و بیش ہر جنت میں ہیں اور جنت کی مشہور نہروں مثلاً کافور، رحیق، تسنیم اور سلسبیل کا پانی ہر جگہ برابر رہتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی دودھ، شہد اور شراب طہور کی نہریں جاری ہیں۔ جن سے تمام جنتی سیراب ہوتے ہیں۔ البتہ شرابی اور نشہ خوروں کو کافور و سلسبیل کی کیچڑ تک نصیب نہیں ہوتی ہے۔ غرض جنت میں ہر طرح کے آرام و آسائش کی چیزیں موجود ہیں۔ خاص کر اس جنت میں تو اور بھی زیادہ ہے۔ لوگ اپنی اپنی بیویوں اور حوروں کے ساتھ نکل نکل کر نہروں کے کنارے سیر کو آتے ہیں اور پھلوں کو کھاتے اور آپس میں خوش فعلیاں کرتے ہیں۔ یہاں

تو پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے نہ پاخانے کی۔ کھایا اور خوشبودار ڈکار ہوئی اور بس ہضم ہوگیا۔ پانی پیا۔ خوشبودار پسینہ نکلا اور ہوا ہوگیا۔ ہر طرح کی آزادی ہے آرام ہے۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں جو چاہیں کھائیں پئیں جیسا چاہیں پہنیں اوڑھیں۔ روپیہ کی فکر نہ پیسہ کی سوچ ہانڈی کا بکھیڑا نہ چولہے کا جھنجھٹ وقت کی قید اور نہ دن رات کا جھگڑا۔ بس جس وقت ارادہ ہو کھا پی لیجیے اور جہاں جی چاہے چلے جائیے۔ کبھی نہروں کے کنارے جا بسے کبھی باغوں میں سیر کرنے لگے اور کبھی محلوں میں آرہے۔ نہ تکان آئی نہ کمزوری بلکہ اور بھی فرحت معلوم ہونے لگی۔ غرض بہشت بھی عجیب دنیا ہے جہاں ہر ہر طبقہ میں ہر ہر قدم پر ہر بات میں ہزاروں لذتیں اور سیکڑوں کیفیتیں پوشیدہ ہیں، جن کا اظہار ناممکن ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ اس طبقہ کے رہنے والے وہ مسلمان تھے جو مصیبتوں پر صبر کرتے اور اللہ کو یاد کیا کرتے تھے۔

بعد ازیں میں چوتھی بہشت میں آیا۔ اس کے مکانات تو اور بھی خوبصورت و خوش نماں ہیں ہر طرف زمرد سبز کے بنے ہوئے عالی شان محل مشک و زعفران کے گاروں سے نہایت ہی خوش وضع و خوش قطع سلسلہ دار دور تک بنے ہوئے ہیں۔ جواہرات اور لعل بیش بہا کے ٹکرے باغوں کی روشوں اور سڑکوں کے کنارے کنارے بچھے ہوئے ہیں اور سڑکوں کو مختلف قسم کے جواہر کی اینٹوں سے جو آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہیں، بنایا گیا ہے اور سڑکوں کے کنارے کنارے نہریں موجیں مار رہی اور بہہ رہی ہیں اور ان نہروں کے کنارے اشجارِ پُر ثار بے حد اور بے شمار قطار در قطار لگے ہوئے ہیں اور ہر ہر درخت پر طائرانِ خوش رنگ و خوش الحان کچھ ایسی سریلی آواز میں نغمہ سرائی کررہے ہیں کہ سننے والوں کو کیف و سرور سے بے خود بنادیتے ہیں۔ باغوں میں عورت و مرد حور و غلمان نہایت ہی قیمتی قیمتی حریر و استبرق کے کپڑے پہنے ہوئے آپس میں گھل مل کر باتیں کررہے ہیں۔

مردوں کے ہاتھوں میں ہیرے اور سونے کے کنگن پڑے ہوئے ہیں۔ ہر طرف ساقیان سیمیں بدن و ماہرویان رشک یاسمن جام اور صراحی لے کے گردش کررہے ہیں۔ لیکن اس شراب میں نہ وہ مستی ہے اور نہ وہ بے خودی جو انسان کو بری باتوں کی طرف مائل کرے ۔بلکہ یہ تو بمصداق: لایسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قلیلا سلاما سلاما. کے ہیں، لغو اور بے فائدہ گناہ کی باتیں تو کسی کے دل میں کھٹکتی بھی نہیں بجز اس کے کہ ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدائیں آتی رہتی ہیں اور کچھ نہیں۔ جابجا گھروں میں اور گھر کے باہر سڑکوں پر میووں کے درخت ہرے بھرے پھلوں سے پُر اور لدے ہوئے جھکے پڑے تھے۔ جب کسی کو کوئی میوہ کھانے کی خواہش ہوتی تھی تو وہ میوہ خود بخود چھل چھلا کر آگے آجاتا تھا۔ اور ان میووں کے اندر سے ایک ایک حور سراپا نور حسن وجمال میں یکتا زرق برق لباس سے آراستہ و پیراستہ نکل کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگتی تھی اور اس کا حسن وجمال سب پر غالب آجاتا تھا۔ یہاں ہر ایک کے عمل کے مطابق عیش وآرام اور ملک و املاک زیادہ تھا۔ مثلاً کسی نے اگر اللہ کے لیے ایک مسجد بنائی تھی تو اس کو اس کے عوض ایک اچھا محل دیا گیا تھا۔ یا جس کسی نے اللہ کے واسطے ایک درخت لگایا تھا یا مخلوق کی فائدہ رسانی کے لیے ایک کنواں، نہر اور تالاب کھدوایا تھا غرض جس نے جتنا ہی نیک عمل کیا تھا اسی کے مطابق اس کو جزا و ثواب زیادہ تھا اور قریب قریب ہر طبقہ میں لوگوں کو جزا و ثواب میں کمی و بیشی یہیں کی طرح تھی۔ اس طبقۂ جنت کے رہنے والے غازی و عابد زاہد لوگ ہیں اور اس کا نام عدنؔ ہے۔

عدنؔ سے قریب ہی دارالقرار ہے۔ اس لیے یہاں کی سیر سے فارغ ہو کر دارالقرار چلا آیا۔ یہ جنت صرف موتیوں سے بنائی گئی ہے۔ یہاں بھی مذکورہ طبقوں کی طرح مکانات بنے ہوئے ہیں۔ نہریں بہ رہی ہیں۔ چشمے ابل رہے ہیں۔ ہر طرف

انواع اقسام کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں بلبلوں کا شور ہے تو کہیں کسی جانب رقص میں مور ہے۔ کسی جانب حوروں کا جمگھٹا ہے تو کسی طرف ماہ پیکر وسیمیں تن غلمانوں کا مجمع، دل فریب و دل ربا۔ ہر ہر مرد کے پاس ایک سے لے کے دو دو تین تین چار چار بلکہ کسی کسی کے پاس اس سے زیادہ بیویاں اور ستر ستر حوریں سر جھکائیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں نماز روزہ عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کی محبت میں چور اور نامحرموں کے دیکھنے سے دور رہتی تھیں، زیور ولباس پر مغرور نہیں ہوتی تھیں اور شوہر کی خدمت گاری واطاعت وفرماں برداری میں مشغول رہتی تھیں۔ سوتے وقت ان کا بچھاون بچھا دیتی تھیں۔ یہاں ان کا حسن و جمال حوروں سے بھی زیادہ تھا۔ حوریں انھیں دیکھ دیکھ کر شرمندہ رہتیں اور لونڈی باندیوں کی طرح ان کی خدمت کرنے کو باعث فخر سمجھتی تھیں اور ان عورتوں کو جو اپنے خاوندوں کو ستاتی تھیں مگر عابدہ وزاہدہ تھیں اور شوہروں نے انھیں معاف کر دیا تھا۔ حوریں طعنہ مارتیں اور کہتی تھیں کہ تو نے دنیا میں اس بیچارے سیدھے سادے مسلمان کو خوب ستایا۔ لہٰذا آج میں ان کو خوش کر دوں گی۔ چنانچہ وہ عورتیں اپنی بے وقوفی پر نادم اور شرمندہ ہوتی تھیں مگر حیف وقت نکل چکا تھا۔ جنت میں صرف ثواب وجزا ہے۔ عمل کا تو مطلق نام نہیں۔ جو جس کا جی چاہتا ہے کرتا ہے سب کے سب یکساں اور ایک ماں باپ کے معلوم ہوتے ہیں اور ہیں بھی۔ یہاں نہ ذات پات کا جھگڑا ہے اور نہ شیخ، سید کا فرق اور نہ اونچ نیچ کی لڑائی۔ یہاں تو قانون: ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم. (تحقیق بزرگ ترین تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے) کی رو سے ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق مرتبہ ملا ہوا ہے۔ ہر ایک کے پاس سامان عیش مہیا ہے۔ کوئی کام ہے نہ دھندا، نماز ہے نہ روزہ، بس کھانا پینا عیش وعشرت اور اللہ اللہ کرنا۔ خصوصًا اس طبقہ کے رہنے والوں کو جو طبقاتِ ماسبق کے اعتبار سے بہت زیادہ آرام ہے اور ان کے سروں پر

نور کا تاج اور نور کی پگڑیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ عالمانِ باعمل اور حفّاظِ کلام ربانی ہیں جن کے نورِ علم سے دنیا جگمگاتی تھی۔

یہاں کی سیر کے بعد میں چھٹی بہشت میں آیا جو لعل سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ اللہ! کیا منظر دلربا اور مقام لطیف و دلکشا ہے۔ نسیم خوشگوار کے جھونکے عنبر و عود میں بسے ہوئے چل رہے ہیں۔ مشک و زعفران کی خوشبو آمیز لپٹ فضائے ارم کو بسا رہی ہیں۔ سہانا وقت ہے اور سہانی گھڑی ہے۔ ہر طرف باغ لگے ہوئے ہیں اور باغوں کے وسط میں محل بنے ہوئے ہیں ایک ایک کے پاس ستر ستر ہزار حوریں اور غلمان ہیں جن کی صورتوں کے سامنے چودھویں کا چاند بھی ماند ہے۔ نقرئی و طلائی تمغے لگائے اور کمر مختلف قسم کے ٹپکوں سے باندھے ہوئے اس طرح سے آ اور جا رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ وعندھم قاصرات الطرف عین ٥ کانھن بیض مکنون. اور ان لوگوں کے پاس بڑی بڑی موتی چور و مخمور آنکھوں والیاں نگاہیں نیچی کئے ہوئے جیسے انڈے چھپائے ہوئے اچھوتی اور کنواریاں ہیں اوران کی شان یہ ہیں: لم یطمثھن انس قبلھم و لا جان. ان کے پہلے ان عورتوں کو نہ تو کسی انسان نے چھوا ہے اور نہ جنات نے ہزاروں کی تعداد میں بیٹھی ہوئی انگڑائیاں لے رہی ہیں اور اپنے حسن و جمال سے دلوں کو بے اختیار کر رہی ہیں اور کہ رہی ہیں کہ ہم تمھاری لونڈیاں ہیں اور ہماری آنکھیں تمہیں دیکھ کر روشن ہوتی ہیں۔ پیارے ہم تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ان لطفوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ خداوند قدوس برابر ان لوگوں سے پوچھتا ہے کہ اے میرے نام پر مر مٹنے والو اور میرے نام کو بلند کرنے والو! تم اور بھی کچھ چاہتے ہو؟ کیا کسی چیز کی اور بھی تم کو ضرورت ہے؟

چنانچہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ پروردگار عالم! تیرے فضل و کرم سے اب ہمیں کچھ

نہیں چاہیے۔ سب کچھ موجود ہے۔ پھر آواز آتی ہے۔ ہاں! اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ اور کوئی تمنا ہو تو کہو، پوری کی جائے گی۔ وہ لوگ اس آواز کو سنتے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اب ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے اور ہمارے دل کو کوئی تمنا نہیں ہے میرے مولیٰ! ہمیں تو نے حد سے زیادہ دے رکھا ہے۔ پروردگار! اب کیا مانگوں اور کونسی تمنا ہے جو کروں۔ خداوند عالم ایک آرزو اور صرف ایک تمنا ہے۔ اگر وہ پوری ہو جائے تو زہے نصیب! الٰہ العالمین! وہ خواہش یہ ہے کہ پھر ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ پھر ہم کافروں سے لڑیں اور تیرے نام اپنی گردنوں کو کٹائیں۔ اپنے تنوں کو گھوڑوں کے سُموں اور ٹاپوں سے روندوا ڈالیں اور اپنے سینوں کو تیرے واسطے اور تیری رضامندی کے لیے دشمنوں کے نیزوں اور تیروں سے چھلنی کرادیں۔ خداوند قدوس ان کی باتوں کو سن کر اور ان کے وفور و ولولہ کو دیکھ کر مسکرا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ اور ان کے درجے اور مرتبے کو اور بھی بلند کر دیتا ہے۔ یہ لوگ شہداء اور مؤذنین ہیں اور اس طبقہ کا نام جنتِ نعیم ہے۔ اس کے بعد میں اس جنت میں آیا جہاں ہر طرف نور ہی نور ہے۔ اس کی تعریف کیا بیان کروں۔ ہر طرف نورانی مکانات بنے ہوئے ہیں اور نور کا دریا موجزن ہے۔ حوروں کے ماتھے نور کے افشاں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے حسن وجمال کی مرتعش کرنیں دنیائے دل میں تزلزل پیدا کر رہی ہیں۔ درختوں کی پتّیاں ہر جانے آنے والے کے سر کو بوسہ دے رہی ہیں پھولوں کے نئے نئے اور خوبصورت خوبصورت درخت ہر وقت نئے نئے رنگ کے پھلواریاں کے رہنے والوں پر نچھاور کر رہے ہیں۔ اشجارِ پُر اثمار (پھلوں سے بھرے اور لدے ہوئے درخت) نہایت ہی خوبصورت خوبصورت اور خوش مزہ پھلوں کو ان کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں اور یہاں کے رہنے والے لوگ ہر وقت نئے نئے نورانی لباس کو تبدیل کرتے رہتے ہیں اور ان پر عجیب خوشی کا عالم طاری رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اولیاء اللہ کے نام سے

پکارے جاتے ہیں اور جن کی شان یہ ہے: الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. یعنی ان اللہ والوں کو کسی بات کا خوف ہے اور نہ غم۔ ہر وقت انوارِ الٰہی کی تجلیاں ان کو محیط رہتی ہیں اور ان کا نام جنت الماویٰ ہے۔ اس کے بعد میں سب سے اوپر والے طبقہ میں آیا جس کا نام نورٌ علیٰ نور ہے۔ یہاں ہر وقت جمالِ جہاں آرا خداوندی کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور اسی بہشت میں حسب مراتب لوگوں کو دیدارِ الٰہی کے لیے آنا پڑتا ہے۔ ہر وقت ہجوم رہتا ہے اور بڑے بڑے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ جس وقت لوگ آتے ہیں اسی وقت سے دیدار الٰہی شروع ہوجاتا ہے اور ان کا چہرہ بمصداق: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ اپنے پروردگار کے دیکھتے ہی دمکنے لگتا ہے اور تروتازہ ہوجاتا ہے۔ یہاں اگرچہ عمل کے لحاظ سے اونچ نیچ کا فرق ضرور ہے یعنی اچھے اور زیادہ عمل کرنے والے اونچی اور بلند جگہ پر بیٹھ کر دیدار پروردگار سے مشرف ہوتے ہیں اور ادنیٰ وکم عمل لوگ مشک کے تودوں اور ٹیلوں پر بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ لیکن کوئی کسی کو حقیر نہیں سمجھتا۔ اس واسطے کہ ان کے دلوں میں دیدارِ جمال ایزدی کے وقت ایک عجیب کیف وسرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے کسی کو کچھ خیال ہی نہیں رہتا۔ سب خود فراموشی اور محویت کے عالم میں اپنی اپنی جبین نیاز کو خداوند کارساز کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔ غرض یہاں کی حالت بیان کرنے کے لیے زبان قلم میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے اور قلم خود بھی اس راز اور بھید سے ناواقف و آگاہ ہے۔ اس واسطے کہ یہ سب کیفیات ولذات ہیں جنھیں الفاظ کا جامہ پہنانا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ میں خود اپنے تئیں فراموش کر گیا تھا اور اپنی ہی خبر نہیں تھی۔ خدا جانے وہ کونسا وقت تھا اور کیسی لذت تھی۔ ہاں وہ بے مثال جلوہ اور غیر فانی لذت تھی۔ جب اس کو یاد کرتا ہوں تو جنت کی ہر چیز خواہ وہ حور ہو یا غلمان سب ہیچ معلوم ہوتے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ ہر وقت تجلیاتِ خداوندی کو دیکھتا رہوں۔ کیا ذوق ہے! کیا شوق ہے! سو مرتبہ دیکھوں پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں

نہیں دیکھا۔یہاں اس کے علاوہ جمیع انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضور پر نور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مع اہل بیت وازواج مطہرات و خلفائے اربعہ جلوہ افروز ہیں۔اس وجہ سے یہ جنت اور بھی لوگوں کے دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اللہ اللہ! پروانہ وار شمع جمال نبوت پر انسانوں کا ہجوم ہورہا ہے۔کیوں نہ ہولوگوں نے جان دے کر اس دُرِّ بے بہا(قیمتی موتی) کو پایا ہے۔مدت سے چشمِ انتظار وا کیے دنیا میں ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ دلِ مضطرب آتش فراق میں جل رہا تھا لیکن اس گلِ گلستانِ خوبی و سرزیرو چمنستانِ محبوبی کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اگلے پچھلے جنھوں نے سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو حین حیات (زندگی) میں دیکھا تھا اور جنھوں نے نہیں دیکھا تھا سب کے سب خاک قدم کو سرمہ چشم بنارہے تھے۔ چنانچہ جب لوگ دیدار الٰہی اور شرفِ زیارتِ نبوی سے مشرف ہوچکتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے ایک نعمتِ غیر مترقبہ پالیا۔ان کے دل مسرور اور آنکھیں پر نور ہوجاتی تھیں اور سب کے سب آناً فاناً اپنے گھروں میں آموجود ہوتے تھے۔بلکہ بہتوں کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے گھر بیٹھے سارے جلوؤں کو دیکھا۔ غرض ہر شخص علی قدر مراتب دیدار الٰہی سے مشرف ہوا کرتا اور برابر محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔میں بھی جب دیدار و زیارت محبوب و محب سے فارغ ہوچکا تو پھر میں نے ارادہ کیا کہ واپسی میں سرسری طور پر پھر دو چار جگہوں کو دیکھ لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا تو ضرور لیکن اب یہ یاد نہیں رہا کہ میں کس طبقہ میں رہتا ہوں اور کہاں جارہا ہوں۔ البتہ اتنا یاد ضرور ہے کہ واپسی میں ایک ایسی جگہ پر گذر ہوا جہاں بڑے بڑے امرا اور بادشاہ جن کی عدالت و سخاوت کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی اوران کی عبادت و ریاضت مشہور تھی۔ اگرچہ اس جگہ کو میں نے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت لذت دید نے سب کو دل سے فراموش کردیا تھا۔ بہرحال یہاں بہت سے بادشاہ اور حکام اعلیٰ عہدہ والے نیکوکار و

پرہیز گار لوگ تھے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی میں نے بڑے بڑے بادشاہ اور امراو دولت مندوں کو دیکھا تھا۔ لیکن یہاں کے رہنے والوں کا کچھ عجیب عالم اور عجب ٹھاٹھ تھا۔ بڑے بڑے عالی شان جواہرات اور موتیوں کے مکانوں میں جس میں حریر واستبرق کے فرش فروش بچھے ہوئے ہیں۔ اور لعل وہیرے کے خوبصورت و خوش نماں تختوں پر وہ لوگ تاج زریں سروں پر رکھے ہوئے نہایت ہی رعب و داب سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہاں ایک تعجب خیز تماشہ اور بھی نظر آیا وہ یہ کہ بہت سے عالی شان اور بڑے بڑے مکان جس میں ہزاروں قسم کا ساز وسامان تھا بالکل خالی پڑے ہوئے تھے اور اس میں چند معمولی آدمی دربان کے طور پر کھڑے ہوئے تھے اور انھیں محلوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے مکانات بھی بنے ہوئے ہیں، جن میں وہ ساز وسامان نہیں ہے اور ان میں بڑے بڑے بادشاہ موجود ہیں۔ چنانچہ یہ اپنے اس پست اور چھوٹے مکانوں سے بالکل تیار ہوکر اس بڑے محل میں جانا چاہتے ہیں جو انھیں کے واسطے بنایا گیا ہے تو وہ دربان لوگ انھیں اس میں داخل نہیں ہونے دیتے ہیں اور اسی سابق مکان کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور بہتوں کو ہاتھوں ہاتھ تعظیم و تکریم سے لے جاکر اندر داخل کر دیتے ہیں۔ میں اس واقعہ کو دیکھ کر سخت حیران اور متردد تھا کہ آخر انھیں کیوں ان محلوں میں داخل ہونے نہیں دیا جاتا ہے حالانکہ وہ محل بھی تو انھیں کا ہے۔ آخر مجھ سے یہ دیکھ کر ضبط نہ ہوسکا اور ایک آدمی سے میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ جنھیں مکان میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا ہے۔ وہ ہیں جو بنفسہٖ مخیر اور نیکوکار ہیں اور دنیا میں یہ بڑا بڑا کام کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے عامل اور نوکر چاکر مشیر وزیر انہیں ان کاموں سے روکتے اور اپنی خیر خواہی دکھانے کے لیے انہیں نیکیوں سے باز رکھتے تھے۔ اور مستحق و غیر مستحق میں فرق کیے بغیر سب پر ان کی نیکیوں کا دروازہ بند کرا دیتے تھے۔ اور انھیں اس مرتبہ پر نہیں پہنچنے دیتے تھے جس کی وجہ سے آج یہ لوگ اس

رفعت و بلندی اور نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں اور یہ لوگ جو انہیں اندر جانے سے روک رہے ہیں ان کے مشیر کار اور پیش کار ہیں جو دنیا میں ان کو بھلائیوں سے باز رکھا کرتے تھے اور وہ لوگ جن کی عزت کی جاتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ محلوں میں لوگ لے جاتے ہیں وہ ہیں جن کے عُمّال و ارکان اچھے اور نیک کاموں کی انھیں ترغیب دیتے اور بھلائی کراتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں یہ بلندی نصیب ہوئی۔ اگرچہ ان میں سے بعض بعض بنفسہٖ مخیر نہیں۔ لیکن مصاحبوں، جلیسوں اور کارکنوں و عاملوں نے انہیں اس مرتبۂ عُلیا پر پہنچادیا اور خود بھی بلند مرتبہ پر پہنچ گئے۔ ابھی میں یہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ یک بیک بہت سے غلمانوں کی فوج نمودار ہوئی جو نہایت ہی خوبصورت لباسوں میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے چاند کی طرح روشن تھے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی حوروں کا مجمع تھا جن کی خوبصورتی بیان سے باہر ہے اور بیچ میں ایک نورانی تخت ہے جس پر ایک نورانی صورت انسان بیٹھا ہوا ہے جس کے سر پر ہر قسم کے بیش قیمت اور انمول جواہرات سے بنا ہوا تاج رکھا ہوا ہے اور اس کی روشنی دور تک جا رہی ہے۔ اس کی صورت سے رعب و داب شاہانہ نمودار ہے اور اس کے زرق برق لباس سے عجیب بھینی بھینی خوشبو اڑ کر مشام جاں کو معطر کر رہی ہے اور جلو میں اس کے ہزاروں حوران بہشتی جن کے خوبصورت چہروں کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ خوشی کے ترانے گاتی ہوئی آرہی تھیں۔ میں اس عجیب و غریب جلوس کو دیکھ کر ابھی اسی حیض بیض میں کھڑا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون ہیں؟ جن کی اتنی خاطر داری کی جا رہی ہے اور ایسی شان شوکت سے لایا جا رہا ہے کہ ایک فرشتہ منادی کرتا ہوا نظر آیا کہ یہ وہ ہیں جنھوں نے اسلام کے چراغ کو جب کہ وہ چراغ سحری کی طرح جھلملا رہا تھا اور قریب تھا کہ ایک پھونک اسے بجھا کر سارے جہان کو اندھیرا بنادے، انھوں نے از سر نو روشن کرکے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے علوم دینیہ اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ کسم پرسی کے

عالم میں پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا اور علمائے امت پر مصائب و آلام کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اس کی دستگیری کر کے اس میں تازہ روح پھونکی اور سارے مصائب وآلام کو دور کر دیا۔ یہ سلیمان زماں، حاتمِ دوراں، منع جود و کرم، معدن لطف و احسان، غریبوں اور فقیروں پر مہربان، عالموں اور فاضلوں کے قدردان، سلطان العلوم نظام الملۃ و الدین، محی الاسلام ظہیر المسلمین، ظل اللہ فی الارض، سلطان ابن سلطان نواب میر عثمان علی خان زاد اللہ انوارہ واجلالہ، والی ریاست حیدرآباد دکن ہیں۔

جب سواری قریب آئی تو میں نے سلام اور ہدیۂ مبارک باد پیش کیا۔ آپ نے بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور بلندی کی طرف مائل ہوئے۔ آپ کی رفعت و منزلت کو دیکھنے کے خیال سے میں بھی ساتھ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک مکان رفیع و فضائے وسیع میں یہ جلوس معہ تخت شاہی آکر رکا۔ سبحان اللہ! کیا مقام دل ربا ہے۔ ہر طرف منظر لطیف و جاں فزا ہے۔ جدھر نظر اٹھا کے دیکھو ہیرے و جواہرات کے مکانات بنے ہوئے ہیں اور سبز سبز باغ لگے ہوئے ہیں۔ باغوں میں یاقوت سبز و سرخ کے خوبصورت خوبصورت ہرن چرتے اور چوکڑیاں بھرتے پھرتے ہیں۔ ہوائے خوشگوار کے جھونکے فضائے ارم کو معطر بنا رہے ہیں۔ چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔

غرض یہ ایک عجیب دل فریب جگہ ہے اور یہاں کا کچھ عجیب سماں ہے۔ یہاں پہنچتے ہی بادشاہ سلامت ایک محل کے اندر داخل ہو گئے جو بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا اور اس میں بیشمار حور و غلمان تھے۔ اور میں وہاں سے ایک طرف کو چل نکلا اور ادھر ادھر گھوم کر جنت کا نظارہ کرنے لگا۔ اس لیے کہ یہ جگہ اتنی اونچی اور بلند ہے کہ جنت و جہنم و میدان قیامت ہر جگہ کا نظارہ یہاں سے بخوبی ہوتا ہے۔ اب تو میرے لیے اور بھی دلچسپی کا سامان پیدا ہو گیا اور ہر چہار طرف دیکھنے لگا کہ یک بیک میری نظر میدان قیامت کی طرف جا پڑی۔

جنت سے جہنم اور میدان قیامت کا نظارہ

اف اللہ اکبر! حضور جوں کا توں مجمع موجود ہے۔ ملائکہ صف در صف کھڑے ہوئے ہیں اور فوج کی فوج امنڈتی چلی آرہی ہے اور جہنم زور زور سے چنگھاڑ مارتا ہوا ھل من مزید کی صدا لگا رہا ہے۔ حضور پرنور شافع محشر صلی اللہ علیہ وعلی اٰلہ وسلم برابر گنہگاروں کو جہنم سے نکال نکال کر جنت میں پہنچا رہے ہیں اور پھر حضور رب العزت میں شفاعت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ خداوند رب العزت بھی خوب خوب بخششیں کر رہا ہے۔ اور آج کے ہنگامہ اور عجلت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ میلہ ختم ہونے والا ہے۔ اور اب جہنم میں سوائے ظالم، پولس والوں، بے انصاف بادشاہوں اور اِکّے دُکّے گنہگاروں کے کوئی مسلمان ہے بھی نہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض بعض کو حضور شفاعت فرما کر نکال رہے ہیں اور بعضوں کو چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ناف میں باندھ کر گھسیٹتے ہوئے جنت میں لے جا کر چھوڑ رہے ہیں۔ یہ بچے وہ ہیں جن کے باپ ماں نے ان کے مرنے پر صبر سے کام لیا تھا۔ اگرچہ شامتِ اعمال (بُرے عمل) کی وجہ سے گرفتار بلا ہوئے تھے۔ غرض جہنم سے دیکھتے ہی دیکھتے سب ایماندار جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سچے دل سے کہا تھا، سب کو خداوند قدوس نے اپنے فضل وکرم اور اپنے حبیب کے طفیل وصدقہ میں جہنم سے نکال دیا۔ اور بجز کافر اور مشرکوں کے جہنم میں کوئی نہیں رہا سب کے سب جنت کی طرف چلے آئے۔ البتہ ایک گنہگار کے گناہ کو معاف کر کے خداوند عالم نے جہنم کے کنارے چھوڑ دیا۔ وہ مرد مسلمان جہنم کے کنارے اپنے کو تنہا اور اکیلا دیکھ کر گھبرا گھبرا کے پروردگار عالم سے کہنے لگا: خداوندا! میرے چہرے کو جہنم نے جھلسا دیا۔ الٰہی! اب تاب نہیں باقی ہے۔ میرا چہرہ اس طرف سے پھیر دے۔ آواز آئی اے بندے! اگر تو اس کے سوا کوئی دوسری آرزو نہ کرے تو تیر

اچہرہ جہنم کی جانب سے پھیر دیا جائے۔ اس نے قسم کھا کے کہا: نہیں خداوندا! اس کے سوا اور کچھ میں نہیں چاہتا ہوں۔ چنانچہ خداوند قدوس نے اس کا چہرہ جنت کی طرف پھیر دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ چپ چاپ حسرت سے جنت کی طرف دیکھتا رہا۔ آخر جب ضبط نہ کر سکا تو گڑگڑا کر کہنے لگا: خداوندا! مجھ کو ذرا اس کے دروازے پر پہنچا دے۔ ندا آئی کہ اے بندے! کیا تو نے ابھی عہد نہیں کیا تھا کہ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں مانگونگا۔ اس نے کہا: ہاں اے مالک! لیکن اب اس کے بعد اور میں تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ قسم ہے تیرے ذات پاک کی! بس مجھے بہشت کے دروازے پر پہنچا دے۔ چنانچہ اس عہد و پیمان کے بعد وہ جنت کے دروازے پر پہنچا دیا گیا اور جنت کا دروازہ اس کے سامنے کھول دیا گیا۔ اپنے عہد کے مطابق وہ یہاں بھی کچھ دیر تک چپ چاپ کھڑا حسرت سے دیکھتا رہا۔ آخر یہاں کے عیش وآرام و سبزہ زاروں اور باغوں و مرغزاروں کو دیکھ کر تاب نہ لا سکا اور بے اختیار چلا اٹھا۔ خداوندا! تھوڑی دیر کے لیے مجھ کو جنت میں داخل کر دے۔ ارشاد ہوا اے میرے بندے! کیا تو نے ابھی وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس کے بعد میں کچھ نہیں مانگوں گا۔ اس نے کہا: ہاں اے میرے مولیٰ! مجھکو اپنی نعمت سے محروم نہ رکھ اور اپنی بدبخت مخلوق میں سے نہ بنا دے۔ خداوند قدوس اس کی لالچ و گڑگڑاہٹ اور وعدہ خلافی کو دیکھ کر ہنس پڑا اور اس کو جنت میں داخل کر کے کہا تو جتنا مانگ سکتا ہے مانگ اور تمنا کر۔

چنانچہ اس نے اپنی آرزو کو ظاہر کیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا یہ لے اور دس گنا اور بھی لے۔ وہ بڑا خوش ہو گیا اور جنت میں رہنے سہنے لگا اور اسے بھی حوریں مل گئیں۔ اس لیے کہ یہاں کوئی مرد عورت اور کوئی عورت مرد کی نہیں ہے حتی کہ وہ بچے جو صغر سنی (کم عمری) میں کوچ کر گئے تھے انہیں بھی حوریں ملی تھیں اور وہ لڑکیاں جو کنوارے پن میں مرگئی تھیں۔ ان کی شادیاں بھی خداوند قدوس نے ان کے پسند کے مطابق کسی سے کر دیا

تھا۔ البتہ وہ عورتیں جن کی دنیا میں دو دو تین تین یا چار شادیاں یکے بعد دیگرے ہوئی تھیں۔ انہیں اختیار تھا کہ جس کے ساتھ رہنا پسند کریں رہ جائیں اس لیے بعض تو ان میں سے اسی کے پاس رہ جاتی تھیں جو ان سے زیادہ محبت کرتا تھا اور بعض جس کو افضل و بزرگ سمجھتی تھیں ان کے پاس رہ جاتی تھیں اور بعض پچھلے اور اور بعض پہلے شوہر کو پسند کر لیتی تھیں۔ غرض آزادی تھی اور کسی قسم کا جبر اور دباؤ نہیں تھا۔ بہر حال قصہ مختصر یہ کہ ہر شخص جنت میں نعمات الٰہی سے مستفیض ہو رہا تھا اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اب ادھر میدان قیامت کا جھمیلہ بھی ختم ہو گیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ہر کلمہ گو جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان تھا جنت میں آ گیا اور نہ کوئی مومن مسلمان اور نہ ہی کسی سچے نبی کا سچا پیرو اور امتی ہی سوائے کفار و مشرکین و منافقین کے جہنم میں رہا۔ بلکہ سب کے سب جنت میں چلے آئے اور دفتر حساب و کتاب بند ہو گیا اور فرشتے اپنے اپنے مقام پر چلے آئے۔ میدان قیامت بالکل سنسان ہو گیا۔ لیکن جہنم جوں کا توں چیخ مارتا اور صدائے ہل من مزید لگاتا رہا۔ خداوند قدوس نے جہنم کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر اپنا پاؤں جہنم کے اندر رکھ دیا کہ صدائے ہل من مزید فوراً قط قط کرنے کے بعد موقوف (بند) ہو گئی۔

اس کے بعد ایک مُنادی نے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑے ہو کر پکار دیا کہ اے جہنمیو! سن لو کہ اب تم ہمیشہ اس عذاب الیم میں گرفتار رہو گے اور اے جنتیو! تمہیں مژدہ ہو اب تا ابد (ہمیشہ ہمیش) تم عیش مخلد میں مزے کرو گے۔ اب تمہیں نہ موت آئے گی اور نہ بڑھاپا اور نہ بیماری ہو گی۔ لہٰذا اے جنت والو! تم خوش رہو اور اے جہنمیو! تم جلتے رہو۔ ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک فرشتہ ایک چُھری اور ایک مینڈھا لیتا ہوا آیا اور اس کو لٹا کر ذبح کر دیا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اب موت ذبح کر دی گئی اور اس کے بعد اب موت کسی کو نہیں آئے گی۔ جانور جتنے تھے سب کے سب حساب

وکتاب کے بعد ہی اپنی اپنی جزاو سزا کو بھگت کر پیوندِ زمین ہو چکے تھے۔ باقی رہے جنّات تو ان میں سے بھی جو لوگ نیک اور مسلمان تھے حوالی جنت (جنت کے ارد گرد) میں مقیم تھے اور کافرو بدکار انگاروں پر لوٹتے تھے۔ جب موت ذبح کردی گئی اور منادی جنتی دوزخی کو مژدہ خلود (ہمیشہ رہنے کی خوش خبری) سنا کر چلا گیا تو کافروں، منافقوں وغیرہ دوزخیوں پر یاس و ناامیدی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور گھبرا گھبرا کر سب کے سب چلانے لگے:

ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل. پروردگار ہمیں دوزخ سے نکال دے۔ اب ہم ایمان لائیں گے اور اچھے اچھے کام کریں گے، اس کے علاوہ جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔

جب کافروں کی آواز اور الحاح و زاری حد سے زیادہ بڑھ گئی تو ہزاروں برس کے بعد خداوند قدوس کی طرف سے جواب میں یہ ندا آئی: اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر و قد جاء کم النذیر. کیا ہم نے تمہیں بڑی بڑی عمریں نہیں دی تھی جس میں تم نصیحت حاصل کرتے اور دراں حالے کہ تمھارے پاس عذاب دوزخ سے ڈرانے والے رسولوں کو بھی بھیجا تھا۔ اب وقت گزر گیا اور اس دردناک عذاب سے تم ہرگز کسی طرح رہائی نہیں پا سکتے۔ رب جلال کے اس پر جلال کلام کو سن کر سارے جنتی اپنے اپنے بالا خانوں پر آگئے اور درختوں کو دیکھ کر یوں گویا ہوئے:

ماسلککم فی سقر. اجی! تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈال دیا؟ قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المساکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین حتیٰ اتا نا الیقین. تو ان لوگوں نے کہا کہ بھائی ہم نہ نمازیں پڑھتے تھے اور نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بحث کرنے والوں کے ساتھ مباحثہ کرتے اور قیامت کے دن کی تکذیب کرتے اور اس کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اسی حالت میں دنیا سے گذر گئے اور ہمیں موت آگئی۔

بھائیو! ہمیں ایمان و اسلام کی باتیں بتاتے اور سمجھانے والے بہت تھے لیکن ہم برابر اس سے اعراض کرتے اور بھاگتے رہتے تھے۔ لو کنا نسمع اونعقل ماکنا فی اصحب السعیر. اے کاش! ہم دنیا میں سنتے سمجھتے ہوتے تو آج دوزخیوں میں سے نہیں ہوتے اور آگ کا اوڑھنا بچھونا نہیں ملتا۔ ونادیٰ اصحب الجنة اصحب النار ان قد وجدنا ماوعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ماوعدر بکم حقا قالوا نعم.

یہ سن کر جنتیوں نے جہنمیوں کو پکار کر کہا: اجی ہم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا یعنی دوزخ تو ان لوگوں نے کہا ہاں جو وعیدیں ہمارے لیے تھیں ٹھیک تھیں۔ لیکن ہم انھیں نہیں سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے اور عبادت خداوندی سے اعراض کرتے تھے۔ جب یہ سوال و جواب ہو چکا اور دوزخیوں کو ہر طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو ان لوگوں نے گڑگڑا کر جنتیوں سے یوں کہنا شروع کیا: ان افیضو علینا من الماء وممارزقکم اللہ۔ بھائیو! ہم بھوک پیاس سے مرگئے اور تھوہڑ زقوم کھاتے کھاتے اور پیپ و لہو پیتے پیتے ہمارے حالت بری ہو چکی ہے، اس لیے تھوڑا سا پانی اور کھانا جو خدا نے تمھیں اپنی مہربانی سے دے رکھا ہے، ہمارے سامنے ڈال دو تا کہ ہم اس کو کھا پی کر کچھ سکون حاصل کریں۔ قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین . اس پر جنت والوں نے ان سے کہا: بیشک اللہ نے تو جنت کی ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

چنانچہ میں بھی اپنی جگہ پر اپنے جانے پہچانے ہوئے کفار و مشرکین سے کہہ رہا تھا اور خاص کر ہندوؤں سے کہ اجی! ہماری چھوئی ہوئی چیزیں اور خاص کر کھانا پینا تو خود تم لوگوں پر دنیا ہی سے حرام ہے اور تمھارا دھرم بھی اس کو منع کرتا اور حرام بتاتا ہے۔ پھر آج تم کیسے ہم سے ان چیزوں کو طلب کر رہے ہو؟ اس پر ان لوگوں نے خوشامدانہ کہنا شروع کیا کہ عتیق وہ دنیا کی باتیں تھیں انھیں چھوڑ دو۔ ہم غلط راستے پر تھے۔ میں ان کی

گڑگڑاہٹ اور خوشامد کو دیکھ سن کر یہ کہتے ہوئے کہ اللہ نے تم پر اسے حرام کر دیا ہے میں تمھیں کس طرح دے دوں۔ کھڑکی بند کرنے لگا کہ ایک خوفناک آواز: لعنة الله علی الظالمین. ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ کی سنائی دی۔ ساتھ ہی دوزخ کی آگ نے نہایت تیزی کے ساتھ ان کو اپنے دامن میں چھپالیا۔ میں اس خوفناک منظر کو دیکھ کر ڈر اٹھا۔ اور آنکھیں کھل گئیں تو اپنے گھر میں بستر پر لیٹا ہوا پایا۔ دھوپ روشن دانوں اور کھڑکیوں سے آرہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا اور دنیا و دنیا کی چیزیں آنکھوں میں کھٹک رہی تھیں۔ اور کھٹک رہی ہیں۔ پروردگار عالم مجھ کو اور مسلمانوں کو عمل صالح کی توفیق دے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اٰمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیهم التحیة و التسلیم.

تمت بالخیر

کمترین محمد شرف الدین عفی عنہ
متوطن موضع مہگاواں ضلع بھاگلپور، بہار
۲۱؍ شعبان ۱۳۵۱ھ، یوم سہ شنبہ
تاریخ ابتدائے تحریر ۲۱؍ شعبان ۱۳۵۰ھ۔